# اَفغان مُجاہد

★ ——— (محمد حسین فطرت بھٹکلی)

افغان، رگوں میں تری وہ پاک لہو ہے
جو گلشنِ ملّت کے لئے وجہِ نمو ہے
اخلاص کا دورہ ہے تو اس دورِ ہوس میں
ایماں کی حرارت ہے ترے سوزِ نفس میں
افغان، ترا ذوقِ شہادت ہے بڑی چیز
اس دور میں یہ شانِ عزیمت ہے بڑی چیز
تو گلشنِ ایثار کی شاداب کلی ہے
اس دورِ ہوسناک میں تو زندہ ولی ہے
ایمان کے اعجاز کو دکھلا دیا تو نے
تاریخ کے اوراق کو دُہرا دیا تو نے
اسلاف کے ایمان کا انداز ہے تجھ میں
ہمّت کی شجاعت کی تگ و تاز ہے تجھ میں
ٹینکوں کا، بموں کا تجھے کچھ خوف نہیں ہے
تائیدِ الٰہی یہ اٹل تیرا یقیں ہے
ہے آبروئے قوم تجھے جان سے پیاری
اسلام کا اک فرد ہزاروں پہ ہے بھاری
ہے تیرے مقدر میں رہِ حق کی شہادت
در اصل نہیں اس سے بڑی کوئی بھی دولت
توحیّتِ فکر و نظر کا ہے محافظ
گلچیں ہے، گل و باغ و ثمر کا ہے محافظ
ظاہر ترے کردار سے ہے عظمتِ افلاس
خود داری و آزادیٔ کامل ترے اوصاف
شیروں کا دلیروں ہی کا رکھتا ہے جگر تُو
توپوں کے مقابل بھی ہوا سینہ سپر تُو

تھا جنگ کے اسباب پہ دشمن کو بڑا ناز
بے سود و عبث ہو گئی باطل کی تگ و تاز
باطل کی تگ و تاز کا انداز جُدا ہے
اور قوتِ توحید کا اعجاز جُدا ہے
محتاجِ پر و بال نہیں عشق کی پرواز
حاصل نہیں اربابِ تصنّع کو یہ اعزاز
بے مائیگی عشق مسلماں کی ہے سوغات
بے مائیگی عشق سے عالم کی فتوحات
بے مائیگی دل سرو سامانِ حسیں ہے
بے مائیگی دل ہی سے یہ سوزِ یقیں ہے
تو فاتح و غالب ہے اسی سوزِ یقین سے
ہے واسطہ مومن کو سدا فتحِ مبیں سے

## بقیہ صفحہ ۱۱

یہ ہے کہ مذہب کے بلند اقدار اور اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں، اخلاقیات کا رتبہ گھٹا یا جائے اور مذہب کو راہ ترقی میں رکاوٹ تصور کرنے کی تلقین کی جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ کی عقائد اور اخلاق کی گرہیں ڈھیلی پڑ گئیں اور ان میں وہن پیدا ہو گیا، حالانکہ اسلام دین و معاشرہ، معاشیات اور زندگی کے دیگر پہلوؤں میں تفریق کا قائل نہیں ہے۔

عورت کا مسئلہ اب تک سب سے اہم مسئلہ بنا ہوا ہے، جس پر مغرب نے خاص طور سے اپنی توجہ مرکوز کی ہے تاکہ عورت کو میدانِ عمل میں نکال کر بچوں اور خاندانوں کو برباد کر دیا جائے، گرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کی اس بے ہنگم آزادی سے صحیح عالم پر کوئی نمایاں کامیابی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔

ان کا یہ تجربہ مفکرین کے سامنے ہے کہ وہ اس پر منصفانہ طریقہ سے سوچیں کہ کیا چند کوڑیوں کی خاطر نوجوان نسل کو بربادی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کیا اس شخص کو ایک شریف انسان کہہ سکتے ہیں جو چاہتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس کی بیوی اس کا ہاتھ بٹائے۔

اس کمائی کا اکثر حصہ صرف آرائش و زیبائش میں صرف ہوتا ہے، جس کا کوئی تحقیقی فائدہ نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ عورت کے سلسلہ میں مسلمان غیور اور خود دار ہو، اس کا دل کبھی بھی گوارا نہ کرے کہ اپنی اس بیوی کی کمائی سے فائدہ اٹھائے جو مکاری، ذلت اور رسوائی کے بیسیوں مراحل طے کر کے پیسے کماتی ہے، اپنے بال بچوں اور اپنے گھر کا بالکل خیال نہیں رکھتی ہے، اس کے بال بچوں کی پرورش ان خادماؤں کے ہاتھوں ہوتی ہے جن کے اندر نہ محبت ہوتی ہے نہ شفقت، اس لئے بچے بھی محبت و مہربانی کے جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے اُردو اخبار "تعمیرِ حیات" کا مطالعہ کیجئے اور اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیجئے۔


# تعمیرِ حیات لکھنؤ

ہفت روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ اگست ۱۹۸۲ء — ۱۹ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۱۹

زرِ تعاون

| | |
|---|---|
| اندرونِ ملک | بیس روپے |
| فی پرچہ | ایک روپیہ |
| بیرونِ ملک بحری ڈاک | ۵ پونڈ |
| ہوائی ڈاک | |
| ایشیائی ممالک | ۷ پونڈ |
| افریقی ممالک | ۸ پونڈ |
| یوروپ و امریکہ | ۱۰ پونڈ |


اداریہ

## لبنان جل رہا ہے

شمالی عرب کے گل و گلزار ممالک، شام، اُردن، لبنان اور فلسطین آج آگ کی لپیٹ میں ہیں، فلسطین کب کا خاک سیاہ ہو چکا، اور اس کی جگہ امریکہ نے اپنی کالونی بسائی اور وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال کر یہودیوں کو آباد کیا، اردن کا وہ حصہ جس میں بیت المقدس تھا، نابلس کا سرسبز و پُر بہار شہر ایک دوسرے جنگی ڈرامے کے بعد چھین لیا گیا۔ اب لبنان کے ہرے بھرے ملک میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اردن کی ٹوٹی ہوئی کشتی طوفان کی زد میں ہے، شام ایک مردِ بیمار کی طرح ہانپ رہا ہے، اس کی بلند فصیل گولان کی پہاڑیاں تھیں وہ اسرائیل کا حصہ بن چکی ہیں۔

یوں تو عربوں کے تمام ممالک اور ریاستوں کی تعداد اٹھارہ ہے، جو عرب لیگ کے ممبر ہیں اور مراکش سے لے کر کویت اور دُبئی تک ان کی حکمرانی ہے، ان میں وہ ممالک بھی ہیں جہاں پٹرول کی بدولت سونے چاندی کی نہریں بہہ رہی ہیں، لیکن ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے، اور ان کی فوجیں تربیت یافتہ نہیں ہیں، اور مقابلہ امریکہ سے ہے، وقت کی سب سے بڑی دجّالی قوت سے، اس لئے سوائے احتجاج کرنے، تجویزیں پاس کرنے، ملامت کا اظہار کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے، زخمیوں، یتیموں، بیواؤں اور مہاجر عربوں کو مالی، طبی اور غذائی امداد دینے کے لئے ان کے پاس دولت ہے، وہ خرچ کر رہے ہیں اور کریں گے۔ اگر حالات نے لبنانی مسلمانوں کے ساتھ کچھ انصاف کیا اور ان کو ان کا ملک واپس مل گیا تو آبادکاری کا خرچ بھی یہ پٹرولی ممالک برداشت کر لیں گے۔

لبنان کی صورت حال یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن ہمیشہ ان کو گھٹا کر بتایا گیا اور عملاً عیسائیوں کی اکثریت دکھائی گئی، نظام حکومت صدارتی ہے اور سربراہ لازماً عیسائی ہوتا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں کا آپس میں سمجھوتہ ہے، اسرائیلی فوجوں نے جب بیروت پر یلغار کی تو وہاں کے عیسائیوں نے ان کا استقبال کیا اور بڑے بڑے 'بینر' سے ان کا استقبال کیا جس پر "شلوم" یعنی خوش آمدید لکھا ہوا تھا، امریکہ کی یقین دہانی ہے کہ لبنانیوں کو ان کا وطن واپس مل جائے گا۔ اسرائیل ان کی ایک انچ زمین بھی اپنے قبضہ میں مستقل طور پر نہیں لینا چاہتا، لیکن 'لبنانیوں' سے مراد عیسائی ہیں، مسلمانوں کو فلسطینیوں کی آڑ لے کر ختم کر دیا جائے گا یا اردن کی طرف پھینک دیا جائے گا تاکہ آئندہ کوئی دوسرا جنگی ڈرامہ اسٹیج کر کے اس کو بھی ختم کیا جا سکے۔

یہ وہی لبنان ہے جو مشرقِ وسطیٰ کا 'سوئزرلینڈ' تھا، یہاں امن و سلامتی، بقائے باہم، نا وابستگی کا دور دورہ تھا، یوں تو عیسائی اور مسلمان دو مذہبوں کے پیرو وہاں رہتے تھے مگر عملاً معاشرتی فرق کچھ بھی نہ تھا، دونوں کی معاشرت کئی پشتوں سے خالص مغربی تھی، لیکن آج لبنان جس آگ میں بھن رہا ہے اس کی تیاری کئی سال سے کی جا رہی تھی۔ پہلے عیسائیوں اور مسلمانوں کو لڑایا گیا، ایسے ملک میں جہاں برسہا برس سے مذہب ایک 'پرائیویٹ معاملہ' سمجھا جاتا تھا۔ وہاں اس 'پرائیویٹ معاملہ' کا پبلک معاملہ بن جانا حیرت ناک تھا، لیکن جو لوگ پردہ کے پیچھے اُن انگلیوں کو دیکھ رہے تھے جو انسانی کٹھ پتلیوں کو نچا رہی تھیں ان کو اس پر کوئی حیرت نہیں تھی، اس تین سال کے اندر ۲۲ مرتبہ لبنانی عیسائی اور لبنانی مسلمانوں کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، اور کوئی معاہدہ قائم نہ رہ سکا، جب حالات میں سکون کا گمان ہوتا کوئی دستی بم لیکر کسی عمارت کو ڈھا دیتا اور خوں ریزی شروع ہو جاتی۔ یہ اسرائیل تھا، یہودی، مسلمان، اور عیسائی سب ایک شکل و صورت اور ایک لباس و انداز کے وہاں رہتے تھے۔ آگ کس نے لگائی، کس نے جنگ بندی معاہدہ کی خلاف ورزی کی، کس نے امن و سلامتی کی فضا پر بم پھینکا، یہ کسی کو نہیں معلوم، اور سب کو معلوم ہے، کسی کو نہیں معلوم، اس لحاظ سے کہ ایک دوسرے پر الزام دھرتے رہے، اور نشاندہی کرتے رہے کہ فلاں محلے کے فلاں مکان سے شعلہ پہلے بلند ہوا اور "سب کو معلوم ہے" اس لحاظ سے کہ یہ یہودی تھے جو اپنی پلاننگ کے لحاظ سے پہلے لبنان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر رہے تھے تاکہ بڑے حملہ کے لئے زمین ہموار ہو جائے۔ اب جبکہ پردہ اُٹھ چکا ہے سب باتیں اس طرح نظر آ رہی ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لئے نہ کسی سیاسی بصیرت کی ضرورت ہے اور نہ دور بینی اور حقیقت شناسی کی۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو ایک راہ چلتا انسان بھی دیکھ کر بتا سکتا ہے۔

اور اب ایک راہ چلتا معمولی فہم و بصارت کا انسان یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ موجودہ نسل سے کئی پشت پہلے شام و لبنان اور فلسطین کے اس خطے میں مغربیت کی جو رَو چلی تھی جس کے نتیجہ میں عرب قومیت، ابھری اور یہ کہا گیا کہ اسلام ترقی کی راہ میں حائل ہے، ھٰذہ ھی الاغلال یہی پاؤں کی بیڑیاں ہیں، اور ہم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک کہ رجعت پسندی (یعنی مذہبیت) کو پیروں کے نیچے کچل نہ دیں۔

یہ فارمولہ۔ کہاں تک کامیاب رہا، اس کا جواب ہم سے نہیں، گولان کی پہاڑیوں سے سنئے، نابلس اور بیت المقدس سے دریافت کیجئے، بیروت کے بین الاقوامی مرکز سے پوچھئے، ستورہ، زحلہ، طرابلس (شام) سے بلند ہونے والے شعلوں سے معلوم کیجئے۔ اور اُن خوش حال فلسطینیوں اور لبنانیوں سے کہیئے جو آگ کا دھواں دیکھتے ہی وہاں سے نکل گئے اور یورپ و امریکہ کے مختلف شہروں میں صوفوں پر دراز ہو کر اخبارات کے ذریعہ معلوم کر رہے ہیں کہ ان کے ملک کے لئے اقوامِ متحدہ میں کیا پاس ہو رہا ہے۔

(ع۔ع۔ن)

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ باقاعدہ موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی۔ بی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ وی۔ پی خرچ Rs 26/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ باقاعدہ بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

سلک سلیمانی

# مومن کی زندگی میں دعاء کی اہمیت

مولانا محمد اشرف خانصاحب، صدر شعبۂ عربی پشاور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جن انعامات خاصہ سے انسان کو نوازا ہے ان میں ایک دعا بھی ہے۔ دعاء ایمان کا نشان، تعلق الٰہی کی دلیل، مغزِ عبادت، حقیقت عبودیت، جانِ بندگی، روحِ فقر اور رونق درویشی ہے، دعاء بندہ و رب کا رابطہ قویہ، مومن کا اسلحۂ بتاتہ، روح کی غذا، جان حزیں کا اقرار، زخمی دل کا مرہم اور سوختہ سامان عشاق کی نامرادیوں کا مداوا ہے۔ دعاء فقراء کا خزانہ، مسکینوں کا ترشہ، ناداروں کی ڈھارس لاچاروں کی تسکین، بے زاروں کی تسلی، ضعیفوں کی قوت، راہ حق کے طلب گاروں کی ڈھال اور سالکین طریق کا زادِ راہ ہے۔ دعاء کا شغف واشتغال، اس میں الحاح وزاری، تضرع وخشوع اور ابتہال وتبتل، توحید وللّٰہیت اور صفات الٰہیہ پر ایمان کامل اور یقین راسخ کا نتیجہ ہے۔ دعاء جامع الاسباب، ام الذرائع، کلید خیر اور مطلب براری کی احسن واکمل تدبیر ہے۔ دعاء دارین کی حاجات وضروریات کے انجاح و حصول کا اقویٰ واجمل سبب ہے۔ دعاء رمانده بندہ کی اپنے رحیم وکریم آقا کے دربار میں مناجات، پکار وعرضداشت ہے، جس کا ہر بول بندہ اور آقا کے تعلق کو قوی سے تر کرتا ہے ایک فقیر بے نوا کا سرمایہ ہی دعاء ہے کہ فقر کی حقیقت ہی 'الحمید' میں سب کچھ دیکھ کر اپنی بے مائگی، ہیچ مدہیچ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعاء ورضاء، تفویض وتسلیم، عبدیت وعبودیت کے وظیفہ میں اپنی زندگی گذار دیتا ہے۔ محبوب ازل کا محب صادق اور حمید مطلق کا طالبِ حقیقی، ہر آن قلباً وحالاً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز اس کے ساتھ مناجات و دعاء میں مشغول رہتا ہے اس لئے فخر الفقراء سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جزو کل دعاء ومناجات سے مملو ملتا ہے کہ جس قدر حقیقت فقر وعبدیت میسر آئے گی انسان میں تبتل، ابتہال الی اللہ اور احتیاج کی کیفیت بڑھتی جائے گی۔ صحیفہ اسلامی دعاء کی عظمت وبرکت پر دال اور قصص انبیاء ..... اجابت دعاء پر ناطق اور اسوۂ نبویہ اور احادیث مبارکہ دعاء کے فضائل واہمیت پر شاہد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین" (المومن ۔ ۶۰)

(اور کہا پروردگار نے دعا کرو مجھ سے قبول کروں گا۔ واسطے تمہارے تحقیق وہ لوگ کہ تکبر کرتے ہیں عبادت میری سے شتاب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہوکر)۔

دوسری آیت ہے:۔

"واذا سألک عبادی عنی فانی قریب ط اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنو بی لعلھم یرشدون ہ (البقرہ-۲)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار (دعا) کو قبول کرلیتا ہوں۔ جب وہ مجھ کو پکارتا ہے پس ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں۔ امید ہے کہ وہ لوگ رشد (فلاح) حاصل کرسکیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"ان ربی قریب مجیب"

(ہود ۔ ۶)

(تحقیق میرا پروردگار نزدیک ہے دعا قبول کرنے والا)۔

"ان ربی لسمیع الدعاء"

(بیشک میرا رب سنتا ہے دعا کو)۔

پہلی آیت مبارکہ میں دعا کو عبادت کے مرادف قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ارشاد نبوی ہے۔

الدعاء ھو العبادۃ

دعا ہی عبادت ہے

پھر آپ نے تائید میں محولہ بالا آیت پڑھی (جمع الفوائد ص ۶۱۵ ج ۲) بحوالہ ابوداؤد وترمذی)

دوسری روایت میں ہے:

الدعاء مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے)۔

(جمع الفوائد ص ۶۱۵ ج ۲ بحوالہ ترمذی)

دوسری مرفوع روایات میں ہے:۔

"اللہ کے نزدیک دعاء سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز معزز نہیں"۔ جس کے لئے دعاء کے دروازے کھل گئے، اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے ..... دعاء نازل شدہ (مصائب) میں اور جو ابھی نازل نہ ہوئے ہوں سب میں فائدہ دیتی ہے۔ قضا کو صرف دعاء ہٹا دیتی ہے۔ پس دعاء کو لازم پکڑو۔

(جمع الفوائد ص ۶۱۵ ج ۲ بحوالہ ترمذی)

شیخ الکل حضرت تھانوی قدس سرہٗ دعاء کے بارے میں مناجات مقبول کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کے صلاح وفلاح کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کے صلاح وفلاح کے واسطے اسباب مشکثرہ وابواب متعددہ موضوع فرمادئے کہ اہل حاجت ان سے مدد لیں اور عقبات ومہالک سے نجات پائیں ان اسباب مذکورہ میں بجز دعاء کے جتنے اسباب ہیں۔ ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں۔ چنانچہ اسباب طبیعہ کا (مثل زراعت وتجارت وطبابت کے) اصلی مقصود فلاح دنیوی بنایا گیا ہے۔ گو بواسطہ معین دین بھی ہو۔ اور اسباب شرعیہ کا (مثل صوم وصلوٰۃ وحج کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا ہے۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو مگر صرف دعاء ایک ایسی چیز ہے کہ فلاح دین وفلاح دنیا دونوں کے لئے بالمساواۃ ایک مرتبہ میں شروع وموضوع ہے۔ جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی دعوت وعظمت ظاہر وباہر ہے اس لئے قرآن مجید وحدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب وفضیلت اور تاکید جابجا وارد ہے ..... (ان احادیث) سے معلوم ہوا کہ دعاء تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعاء کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی قبولیت کی یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے۔ پس دعاء کرکے خواہ قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو، بدگمان نہ ہونا چاہئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز قدر ومنزلت کی نہیں" اور ارشاد فرمایا:

"جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمایا کریں۔ اس کو چاہئے کہ خوش عیشی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا مصیبت کے دعاء مانگنے کا اثر مصیبت کے وقت مانگنے میں ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ:۔

"دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا"۔

اور ارشاد فرمایا:۔

"کہ دعاء مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان اور زمین کا نور ہے"۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلاوہ قوم پر گذرا ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے"۔ اور فرمایا کہ "کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعاء میں اڑ جائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو۔ خواہ سردست اس کو دے دیں یا آئندہ کے لئے جمع کردیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں کبھی وہی چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لئے جمع ہوجاتا ہے۔ اور اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ کبھی اس کی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے، لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی بے توجہی ہے۔ حتیٰ کہ جو معمول اوقات دعا کے ہیں۔ جیسے نماز پنجگانہ ان میں بحر آفرینش سا پڑھ لینے کے اصلاً الحاح یا دلچسپی کا اثر تک نہیں پایا جاتا۔ اور یہ سمجھ کر دعاء کرنے کا تو ذکر ہی کیا، کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں پیش کردینا اور بار بار التجا کرنا اپنی مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اور تکرار عرض ومعروض سے روزانہ امیدیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں۔ اگر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب مجبوری کسی ایک آدھ کو شاذ ونادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ بھی دعاء کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ، عمل عزیمت شروع کردیا، خواہ شرع کے موافق ہو یا مخالف اور اگر کسی نے بڑی احتیاط کی اور موافقت شرع



کا بھی لحاظ کرلیا تب بھی ان اعمال میں وہ برکت کہاں جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دعاؤں میں ہے۔ غرض مقدمۂ دعا میں چند کوتاہیاں واقع ہورہی ہیں۔

اول:۔ "بدون آڑے وقت کی دعاء کی طرف توجہ نہ ہونا"۔

دوم: "ایسے وقت میں بھی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلائی ہوئی دعائیں چھوڑ کر نئے نئے وظائف پڑھنا"۔

سوم: "بدشوقی وبے رغبتی سے دعاء کرنا اور جی نہ لگانا"۔

چہارم: "قبولیت کا یقین اور امنگ نہ ہونا"۔

پنجم: "جلدی اور تقاضا مچانا اور ذرا توقف ہوجائے تو تنگ ہوکر چھوڑ دینا"۔

انہی کوتاہیوں کے تدارک کرنے کے لئے بمقتضائے مصلحت وضرورت وقت مناسب معلوم ہوا کہ جو جامع دعائیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں ان کو جمع کردیا جائے کیونکہ ان کو دوسری دعاؤں پر بچند وجوہ ترجیح ہے۔

اول یہ کہ جب خود حاکم مضمون عرضی کا بتلا دیتا ہے تو اس کی منظوری میں پھر کوئی تردد نہیں رہتا۔ اس طرح جو دعائیں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ وحی جلی یا خفی خود تعلیم فرمائیں تو بلاشک اقرب الی الاجابۃ ہیں۔

دوسرے ان میں جس قدر دینی و دنیوی ضرورتوں کی رعایت کی گئی ہے اگر ہم لوگ قیامت تک بھی سوچیں تو ممکن نہیں کہ ایسے جامع مضامین تجویز کرسکیں۔

تیسرے بعض اوقات مضمون دعاء میں سوء ادب ہوجاتا ہے جس سے وہ الٹی وبال جان ہوجاتی ہے .....

غرض اپنی رائے اور قیاس سے مضمون معین کرنے سے اس قسم کا احتمال اس میں رہتا ہے اور جو دعائیں منصوص ہیں وہ ان خدشات سے منزہ ومبرا ہیں اور ..... افضل واکمل طریقہ یہی ہے کہ وہ دعائیں بعینہٖ انہی الفاظ سے پڑھی جائیں جس طرح منقول ہیں"۔

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے شیخ عالی مقام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مرتب کردہ محمود ادعیہ مناجات مقبول کو بہت پسند فرماتے تھے اور طالبین کو تلاوت کے بعد اس کے پڑھنے کی پیہم تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کو مکتوبات میں اس قسم کی عبارات ارقام فرمائی ہیں:۔

"تلاوت کریں، اور مناجات مقبول کا ایک حزب روزانہ پڑھیں"۔

"مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ لینا مناسب ہے بالکل اسی طرح (یعنی جیسے کتاب میں ہے) پڑھیں۔ ساتھ ہی ساتھ ترجمہ بھی پڑھ لیں"۔

"قرآن پاک کی تلاوت کے بعد مناجات مقبول روزانہ پڑھیں"۔

"دن میں کسی وقت ہوسکے تو قرآن پاک کی تلاوت اور دعا ومناجات مقبول پڑھا کریں"۔

"بہت مبارک مناجات مقبول پڑھتے رہیں"۔

"معمولات نماز وتلاوت ودعاء۔ (مناجات مقبول) میں سستی نہ کریں"۔

حضرت سیدی قدس سرہٗ دعاء کے آداب، الحاح وزاری، تضرع وابتہال، خشوع وخشوع کی رعایت اور اجابت کے یقین کے ساتھ دعاء مانگنے کی تاکید فرماتے تھے۔ ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"گو ایک مسلمان بھائی کی دعا دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں مستجاب ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ضرورتمند خود پورے خضوع وخشوع سے درگاہ الٰہی میں متوجہ ہوکر دعائیں مانگیں۔ ہوسکے تو تہجد کے بعد دعا مانگی جائے آپ ملازمت کے امتحان کے لئے جو دعا کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق دل میں یہ نیت کیجئے کہ طلب رزق کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کی تعمیل میں یہ کوشش کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ دعاء کامیاب ہوگی۔ خواہ بعینہٖ ہو یا بمثلہٖ اور ہر ایک پر بخوشی رضامند رہنا چاہئے، انہی کو دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"آپ کی کامیابی کے لئے بدل باگاہ الٰہی میں دعا ہے۔ اگر قبول ہو تو شکر کیجئے اپنے پروردگار کا۔ اور اگر خدانخواستہ نہ ہو تو ہمت نہ ہارئے صبر کیجئے۔ غرض دونوں حالتوں میں بندہ خدا تعالیٰ ہی سے لگا رہے ماں مارتی بھی ہے تو بچہ ماں ہی کی گود سے چمٹا رہتا ہے"۔

"آپ کی کامیابی کی بدل دعا ہے لیکن دعاء کی مقبولیت کے یہ معنی نہیں کہ مطلوبہ چیز بعینہٖ مل جائے۔ کیا عجب کہ جس کو ہم خیر سمجھ کر مانگتے ہوں۔ عالم الغیب کی نگاہ پاک میں وہ ہمارے لئے خیر نہ ہو۔ اس لئے دلگیر نہ ہوں، اور ہر حال میں امیدوار رہیں۔ بندہ کو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں صرف کوشش ہے نتیجہ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ تیماردار اور طبیب دوا تجویز کرنے اور پلانے کے ذمہ دار ہیں۔ دواؤں کا مؤثر ہونا یا بنا دینا نہ طبیب کے اختیار امکان میں ہے اور نہ تیماردار کے۔ یہ صرف قادر مطلق اور شافی حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ جبر واختیار کے مسئلہ کے لئے آپ سیرت جلد چہارم میں اس مسئلہ کا باب پڑھیں"۔

ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں:

"اللھم اغننی عمن سواک وارزقنی عندک، نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خضوع وخشوع کے ساتھ دعا میں کہا کریں اور بار بار کہا کریں"۔ ایک مسترشد کو لکھا:

"تہجد کی نماز کے بعد ورد کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ہر شب بالالحاح نام اپنے لئے دعا کیجئے۔ دعاء میں خضوع ہونا چاہئے عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد بھی دعا خوب کیجئے اور مانگئے جو آپ کے مناسب ہوگا انشاء اللہ ملے گا اس در سے کوئی محروم نہیں ہوا"۔ ادعونی استجب لکم" اس کا اعلان عام ہے۔ انھیں دوسرے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"جو کچھ ملتا ہے اس کو لیجئے اور اس پر منعم حقیقی کا شکر ادا کیجئے" اور جو نہیں ملا ہے اس کی طلب دعاء سے کیجئے۔ یہ دعاء بھی خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی کڑی ہے"۔

"..... طمانیت قلب اور دماغی سکون کے عدم حصول کا باعث تو کوئی دینی یا دنیاوی فکر ہوگی۔ اگر دینی فکر ہے تو مبارک اور اگر دنیاوی فکر ہے تو اس فکر کا حاصل کیا ہے۔

کارساز ما بساز کارما
فکر ما در کار ما آزار ما

جو حاصل ہے اس پر شکر کیجئے۔ تاکہ بموجب "لئن شکرتم لازیدنکم" اور زیادہ عطا ہو"۔

"..... طبعی پریشانی بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اضطرار کے ساتھ دعا کریں ..... میں بھی دعا کرتا ہوں"۔

ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:

"پانچوں نمازوں کے بعد اپنی پریشانی کے دور (ہونے) اور وسعت رزق کے لئے خود دعاء کیا کریں اور کوئی خاص وقت مقرر کرکے یا رزاق یا وھاب پانچ سو بار اول وآخر درود شریف کے ساتھ پڑھا کریں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ موعودہ رزق ضرور عنایت کریں گے"۔

ایک مسترشد خاص سے استفسار کیا کہ احقر کو کشادگی رزق یا دفع بلا وغیرہ کے اوراد ووظائف سے کچھ لگاؤ نہیں۔ البتہ دعاء میں کم وبیش دل لگ جاتا ہے یہ حالت خدانخواستہ محرومی کی تو نہیں؟

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجب حکیمانہ جواب مرحمت فرماتے ہوئے لکھا:

"ان امور کے لئے عمل یعنی اوراد ووظائف سے دلچسپی نہ ہونا دل کی سلامتی اور فہم کی استقامت کی دلیل ہے مگر در اصل ان کو عمل سمجھ کر کرنے سے یہ کیفیت ہوتی ہے اگر ان کو بھی دعا ہی سمجھا جائے تو یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ مثلاً کوئی کشائش رزق کے لئے یہ بتائے کہ 'یا رزاق' 'یا وھاب' 'یا باسط' پڑھا کرو۔ تو یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ان ناموں کی نسبت رزق اور وسعت وکشائش سے ہے۔ تو گویا یہ اپنے رزق کی وسعت کی دعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارکر جس نام کو ہماری دعاء سے مناسبت ہے، جیسے کوئی فقیر کسی دروازہ پر کھڑا ہوکر یہ کہے کہ اے سخی داتا، اے سخی داتا، تو یہ بھی درخواست ہے اور اس خاص نام سے پکارنا اس لئے ہے کہ اس نام کے آثار کا اس کے فعل سے ظہور ہے"۔

ایسے اسمائے ربانی کے وسیلے سے دعاء کا مانگنا احادیث سے ثابت اور معروف ہے۔

## اسمائے حسنیٰ کے ذریعے دعا:

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اسمائے الٰہیہ سے بھی حاجت برآری کے لئے دعا کی بعض اوقات تلقین فرمایا کرتے۔ ایک صاحب کو لکھا:

"آپ قرض کی ادائی اور وسعت رزق کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں اور ہوسکے تو نماز عشاء کے بعد سو دفعہ یا مغنی اور یا باسط کی تسبیح پڑھ کر ادائے قرض اور وسعت رزق کی دعاء اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگا کریں"۔

ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:

"پانچوں نمازوں کے بعد اپنی پریشانی کے دور (ہونے) اور وسعت رزق کے لئے خود دعاء کیا کریں اور کوئی خاص وقت مقرر کرکے یا رزاق، یا وھاب پانچ سو بار اول وآخر درود شریف کے ساتھ پڑھا کریں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ موعودہ رزق ضرور عنایت کریں گے"۔

ایک مسترشد خاص سے استفسار کیا کہ احقر کو کشادگی رزق یا دفع بلا وغیرہ کے اوراد ووظائف سے کچھ لگاؤ نہیں۔ البتہ دعاء میں کم وبیش دل لگ جاتا ہے یہ حالت خدانخواستہ محرومی کی تو نہیں؟

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجب حکیمانہ جواب مرحمت فرماتے ہوئے لکھا:

"ان امور کے لئے عمل یعنی اوراد ووظائف سے دلچسپی نہ ہونا دل کی سلامتی اور فہم کی استقامت کی دلیل ہے مگر در اصل ان کو عمل سمجھ کر کرنے سے یہ کیفیت ہوتی ہے اگر ان کو بھی دعا ہی سمجھا جائے تو یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ مثلاً کوئی کشائش رزق کے لئے یہ بتائے کہ 'یا رزاق' 'یا وھاب' 'یا باسط' پڑھا کرو۔ تو یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ان ناموں کی نسبت رزق اور وسعت وکشائش سے ہے۔ تو گویا یہ اپنے رزق کی وسعت کی دعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارکر جس نام کو ہماری دعاء سے مناسبت ہے، جیسے کوئی فقیر کسی دروازہ پر کھڑا ہوکر یہ کہے کہ اے سخی داتا، اے سخی داتا، تو یہ بھی درخواست ہے اور اس خاص نام سے پکارنا اس لئے ہے کہ اس نام کے آثار کا اس کے فعل سے ظہور ہے"۔

ایسے اسمائے ربانی کے وسیلے سے دعاء کا مانگنا احادیث سے ثابت اور معروف ہے۔

امام ابن تیمیہ نے اسے جائز سمجھا ہے۔
(منہاج السنۃ ص ۲۹۲ ج ۱)

## دوسروں کے لئے دعا:

ایک مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان کے حق میں غائبانہ دعا مقبول و مستحب ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ حضرت والا رحمہ اللہ نے ایک طالب کو جس نے دعا کی درخواست کی تھی تحریر فرمایا:

"فقیر نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ گو خود جیسا ہوں ظاہر ہے، مگر دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں اللہ تعالیٰ قبول فرمایا کرتے ہیں۔ یا اس سے بہتر چیز عطا کرتے ہیں۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ہے:

"جی ہاں! ہر بھائی کی دعا دوسرے بھائی کے حق میں غائبانہ قبول ہوتی ہے... الحمد للہ بخیریت ہوں۔ شفاء دواؤں سے زیادہ بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔"

ایک مسترشد خاص کو لکھتے ہیں:

"(اہل تقویٰ سے) ضرور دعا کرائیں، حاجت اور تکلیف کا ذکر نہ کریں، بلکہ صرف یہ کہیں کہ میری فلاحِ دین و دنیا کے لئے دعا کریں۔" (تذکرہ ص ۴۵۶)

مسترشد موصوف نے ایک خط میں اپنی اس کیفیت کا اظہار کیا کہ تواضع دوسرے کے لئے دعا کرنے میں حائل ہو جاتی ہے حضرت والد رحمہ اللہ نے جواباً ارقام فرمایا:

"جی ہاں! یہ کیفیت ہے، بات تو یہی ہے (کہ ہم دوسرے کے لئے دعا کرنے کے قابل نہیں۔ م۔ ا۔) مگر ہم اس پر مامور ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں دعائے خیر کریں۔ ہیں تو ہم ایسے ہی ناقابل مگر ارحم الراحمین نے اپنی غایت کرم سے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ تم ہر حال میں جیسے بھی ہو دعا کرو اور مانگو اس لئے یہ حکم بجالاتا ہے۔ وہ اپنی ربوبیت اور رحمت سے قبول فرمائیں گے۔"
(تذکرہ ص ۴۶۰)

## مضطر کی دعا:

قرآن مجید میں ہے:

"أمن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء۔"
(النحل)

(آیا کون ہے کہ قبول کرتا ہے دعا مضطر (بے قرار آدمی) کی جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے (سوا اللہ کے)۔

حضرت والا رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"گو دوسرے سے دعا کرانا بھی اچھا ہے۔ لیکن سب سے اضطرار کی حالت میں خود دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا کو رد نہیں فرماتے (او کما قال)"

## دعا میں توسل بالذوات:

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ توسل اور واسطہ سے دعا مانگنے کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن اسے بے توسل کی دعا سے زیادہ مؤثر نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مسترشد خاص نے استفسار کیا کہ "کیا دعا، واسطہ سے کی جائے تو زیادہ مؤثر ہوتی ہے؟" حضرت والا قدس سرہٗ نے جواباً ارقام فرمایا:

"جی نہیں! ادعیہ ماثورہ بکثرت مروی ہیں مگر ان میں کہیں واسطہ اور توسل ہے؟ شاید ایک آدھ مقام پر ہو۔ اس لئے اگر توسل بالعمل ہو تو جائز ہے۔ اور اشخاص سے توسل بھی ان کے اعمال سے ہوتا ہے جب حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ 'ادعونی استجب لکم' مجھ سے مانگو میں دوں گا، مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔ تو پھر واسطہ کی کیا ضرورت ہے۔ (تذکرہ ص ۴۳۶)

اس مسئلہ میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے نام آپ کی تحریر قولِ فیصل اور بصیرت انگیز ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"توسل بالذوات بے شبہ جائز ہے۔ احیاء میں تو کلام کسی کو نہیں جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے استسقاء کیا۔ رہ گیا اموات کے ساتھ، اموات کے ساتھ توسل کے معنی ہیں کہ ان کے اعمالِ خیر و مقبولہ سے توسل کیا جائے جس طرح اپنے اعمالِ خیر سے توسل جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث الغار سے ثابت ہے (کما رواہ البخاری) اسی طرح دوسرے احیاء و اموات کے اعمالِ خیر سے بھی۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ، الآیۃ کی تفسیر بھی توسل بالاعمال سے کی گئی۔ البتہ اموات سے خطاب کر کے اگر مستقلاً ان سے مانگا جائے تو یہ شرک ہے اور ان سے یہ کہا جائے کہ میرے لئے خدا سے دعا کریں تو اہل دیوبند جائز سمجھتے ہیں، لیکن میں اس کو بدعت سمجھتا ہوں کہ یہ طریق دعا منقول و ثابت نہیں۔ علامہ آلوسی نے (روح المعانی) آیت کریمہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی تفسیر میں اس کو بدعت کہا ہے۔ بعد کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فتاویٰ میں یہ ملا۔ مولانا تھانویؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور بعد کو ان راویوں کے توافق سے مجھے تسکین ہوئی۔

شرک یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات و عبادات میں کسی کو شریک بنایا جائے، بالاستقلال بالذات الی اللہ تعالیٰ شرک فی الذات ہے نہ فی الصفات نہ فی العبادات۔ اصحابہ نجدیہ کہتے ہیں تو یہ ان کا غلو ہے۔

ہاں اگر ذوات سے کوئی یہ سمجھ کر توسل کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست کے سامنے مجبور و مضطر ہے تو بے شبہ یہ شرک ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ سمجھ کر کرے کہ جامع اعمالِ خیر ہیں اور ان کے اعمال بظاہر مقبول ہیں تو ان کی ذات سے خدا کی طرف بہ سبب ان کے اعمال کے توسل کیا جائے کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمالیں۔ تو یہ جائز ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے فعل سے کہ انھوں نے توسل بالنبیؐ کی بجائے توسل بعم النبیؐ فرمایا۔ یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ عمل قابل احتراز ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انھوں نے عم النبیؐ سے کیوں توسل کیا؟ کسی اور صحابی سے کیوں نہیں کیا۔ بالآخر عم النبیؐ کی مقبولیت عند اللہ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تھی لمحۂ فکریہ اور بالآخر بواسطہ توسل بالنبی ہی ہوا۔ فافہم
(مکاتیب سلیمان ص ۳۲ بنام مسعود عالم ندوی)

## دعا اور ہمت و توجہ:

اہل اللہ کے قلوب مناجاتِ الٰہیہ، توجہ الی اللہ اور دھیان رب کا مرکز ہوتے ہیں۔ حقیقتِ دعا جب ان قلوب میں رسوخ پاتی ہے اور وہ کیفیتِ دعا میں ڈوب جاتے ہیں۔ تو ان کے اندر اللہ تعالیٰ سے طلب و دعا، افتقار و التجا کا ایک اندرونی جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے۔ ان کے دل ہر وقت الحاح و ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز اور طلبِ خیر کے داعی رہتے ہیں۔

"رب انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر۔ (القصص ۲)
(اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت آپ مجھ کو بھیج دیں میں (اسکا سخت) حاجتمند ہوں)۔

ان کے دلوں کا حال بن جاتا ہے۔ التجا، و افتقار، الحاح و توجہ کی یہ کیفیت ان کے اندر قوتِ دعا کا ایک مکرر سرچشمہ پیدا کر دیتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت و عطا اور صفتِ جود و سخا انہیں مستجاب الدعوات بنا دیتی ہے اور ان کی قلبی توجہ و ہمت کو انجاحِ حاجات کا عادتاً سبب قرار دے دیتی ہے اور بقول عارف رومی ؎

ترچنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد مولا مراد متقیں

ان کا مقام بن جاتا ہے۔

حضرت والا قدس روحہ ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

"غوث صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ حق تعالیٰ جب اپنے مقبول بندہ کو اپنے عام بندوں کے مقاصد پورا کرنے کا بذریعہ دعا و ہمت ذریعہ بنالیں۔ وہ غوث کہلاتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام قطب تکوین ہے۔ جیسے قرآن پاک میں حضرت خضرؑ کا قصہ ہے اس اصطلاح کے مطابق جائز ہے۔"

قوت دعا کے حامل یہ نفوس قدسیہ اور قلوب مطہرہ جب اپنی اس قوت قلبی کا استعمال کسی کی خیر کے لئے کرتے ہیں تو اسے اصطلاحاً توجہ و ہمت کہتے ہیں۔ گویا توجہ حقیقتاً عارف کی اس التجا الی اللہ کا نام ہے جو وہ اپنے رب میں مشغول اور ملتجی ہو کر کسی شخص کی قلبی حالت کو خیر کی طرف پلٹا دینے کے لئے کرتا ہے چونکہ اس حالت میں عارف کسی خاص شخص یا طبقہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حقیقتاً توجہ کا اثر اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو اس مقبول بندہ کو ذریعہ بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ توجہ بھی اصلاً قلبی دعا کی ایک قسم ہے جس میں عارف کی دعا و ہمت توجہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی عارف بھی اپنے قلب کو مستقلاً سبب ہدایت یا موثر سمجھ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کا گمان بھی نہیں کر سکتا۔

بلکہ بعض ہمارے اکابر تو معروف توجہ کو جائز سمجھنے کے باوجود اس لئے پسند و تحسین نہیں فرماتے کہ غیر کی طرف دھیان و توجہ بھی غیرتِ عشقِ الٰہی کے خلاف ہے۔ بہرحال جس شخص کی ہمت و دعا کو اللہ تعالیٰ عادتاً خلق کی ہدایت کا سبب قرار دے دیتے ہیں، اسے قطب الارشاد کہتے ہیں۔ دگر خاصانِ خدا اپنے درجہ کے مطابق اس شرف کو پاتے ہیں۔

# لبنان کے خونی واقعات
## اور
## اس کا پس منظر

از: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ترجمہ: محمد اکرم ندوی

لبنان خونریز حادثات سے گذر رہا ہے۔ لبنان کے مسئلہ میں ابھی تک یہ بات واضح نہ ہو سکی کہ اس کا تعلق مشرق سے ہے یا مغرب سے، تمدن و ثقافت میں اس کو کوئی چیز مغرب سے متمیز نہیں کرتی، اسی طرح ابھی تک اس کا بھی تعین نہیں ہو سکا کہ لبنان مسلم ملک ہے یا مسیحی، اس لئے کہ یہ اسلامیت سے خائف رہتا ہے، لیکن اس کی ماضی کی تاریخ اور اس کی اکثریت اسلام سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے، لہٰذا یہ ایک ہی وقت میں مسلم ملک بھی ہے اور مسیحی بھی۔

اسرائیل نے اپنے آتشیں و آہنی ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس تنازعہ میں دخل اندازی کی ہے اور فریق بن گیا ہے، جس سے اس مسئلہ میں شدت پیدا ہو گئی ہے، طاقت کے ذریعہ وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ ملک مسیحی، یہودی اور اسلامی اسٹیٹ بن جائے تاکہ اس کا کوئی تشخص باقی نہ رہے۔

یہ ایک زمانہ سے آزاد ملک ہے جس میں ہر طرح کے لوگ اور ہر قسم کے رجحانات و نظریات آزادی رہی ہے، کچھ عرصہ سے اس ملک میں آتش و آہن کی سیاست کی حکمرانی شروع ہو گئی ہے، حال میں اسرائیل بھی ایک فریق بن گیا، اور اس نے اپنا نشانہ خاص طور سے لبنانی مسلمانوں اور فلسطینی پناہ گزینوں کو بنالیا۔

اس فکری اور قومی کشمکش سے ہم سنبھل نہ سکے تھے جو کہ کوئی بڑا حادثہ نہیں تھا، اگر ایمان و غیرت کے ساتھ اچھی طرح سے اس کا مقابلہ کیا گیا ہوتا۔ لیکن مرجودہ زمانہ میں جہاں ہم نے اپنی بہت سی خوبیاں کھو دیں وہیں پر اپنی ان دو خصوصیتوں یعنی ایمان و غیرت کو بھی کھو دیا۔

اس زمانہ کو ہم ترقی کا زمانہ کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہم نے وہ ترقیاں کیں جو ہمارے آباء و اجداد نے بھی نہیں کیں، اور اس ترقی یافتہ زمانہ کو ہم اپنے قدیم آباء و اجداد، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے عظام کے زمانہ سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر سمجھتے ہیں، اس لئے کہ انھوں نے راکٹ کا زمانہ نہیں پایا، اور نہ ان کے زمانہ میں انسان کی رسائی مریخ تک ہوئی تھی، اور نہ ہی انھوں نے ہوائی جہازوں کو دیکھا تھا، لیکن ہم نے یہ زمانہ پایا ہے اور اس میں زندگی بھی گزار رہے ہیں، اور ہم نے اس ترقی کا بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے۔

پھر اس کے لئے کسی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہر چیز کے لئے کوئی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، اور اس عظیم ترقی کے بدلہ میں ایمان و غیرت کی قربانی میں پھر کیا حرج ہے؟

جب ہمارے اندر ایمان و غیرت ہی نہیں ہے، تو پھر اسرائیل سے کیا خوف؟ کیونکہ اسرائیل اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر اس ترقی میں ہم سے زیادہ حصے رہا ہے، اور اسے آگے بڑھا رہا ہے۔ اور اس سے دوستی ترقی کی راہ میں مدد و معاون ثابت ہوگی، شخصیت یا قومی خصوصیات جائیں بھاڑ میں۔

کیا اب ہم لبنان پر آہ و بکا کریں کہ اس نے اپنے تشخص اور اپنی تاریخی خصوصیتوں کو ضائع کر دیا، یا ہم لبنانیوں پر آنسو بہائیں کہ انھوں نے اپنی سب سے زیادہ گرانقدر چیز یعنی اپنے امتیاز اور تشخص کو کھو دیا یا ہم ان اسلامی اور عربی ممالک پر گریہ و زاری کریں جو سنجیدگی سے کام کرنے کے بجائے شور و غوغا اور سب و شتم ہی پر اکتفا کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطین ان کے ہاتھوں سے نکل گیا، اور ان پیش آنے والے حادثات و واقعات کا سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ سے اسرائیل اس مقدس سرزمین پر قابض ہو گیا، اور انہی ملکوں کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے لبنان بھی ہاتھ سے نکل رہا ہے، اس لئے کہ تمام ممالک اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے پر تیار نہیں ہیں اور اس کے لئے ہوئے مخلوط ملک کی، اسلامی اور عربی عظمت کی حفاظت میں تعاون پر آمادہ ہیں، اس لئے اب اس کی بھی بربادی یقینی ہو گئی ہے۔

اس وقت ہم غم و اندوہ سے دوچار ہیں، کیونکہ ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس سے خوشی اور امید پیدا ہو، فلسطینیوں کا حال بھی ہمارے لئے خوش کن نہیں ہے، انھوں نے بھی اسلام کو چھوڑ کر اپنا تعلق ہر لادینی تحریک سے وابستہ کر لیا، کیونکہ اسلام کے پاس آتشیں و آہنی ہتھیار نہیں ہیں، جیسا کہ سرخ و سفید فام قوموں کے پاس ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو انھوں نے روس کی تائید کی، حالانکہ اسلام اور مظلومیت میں وہ افغانیوں کے شریک ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ روسی اور سفید حکومتوں سے اس کی امید وابستہ کئے ہوئے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گی، جب کہ ان کے درمیان صرف مفاد پرستی اور بے حسی کا رشتہ ہے۔

سفید فام حکومتیں تو اسرائیل کی سرپرست ہیں، اور اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ان کا ایجنٹ ہے، اب بتائیے کہ فلسطینیوں کی مدد کون کریگا؟ کوئی نہیں کیونکہ مصر اسرائیل کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہے، لیبیا سب و شتم کے علاوہ کچھ جانتا نہیں، شام اپنے سرخ و سفید آقاؤں کو ناراض نہیں کر سکتا، عراق نے ایران کے ساتھ جنگ میں اپنے کو فنا کر دیا ہے، اور ایران نے اپنی طاقت اندرونی اور بیرونی جنگوں میں ختم کر دی ہے، تمام حکومتیں دوسروں کے جھنڈے تلے چل رہی ہیں، کچھ ممالک اپنے کو مشرقی بلاک سے وابستہ کئے ہیں اور کچھ مغربی بلاک سے، اور بعض ممالک اپنا تعلق اسلام سے جوڑتے ہیں۔

حوادث نے ہمیں اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے کہ مسلمانوں نے کس طرح اندلس کھو دیا، جب کہ ان کی کئی طاقتور اور کمزور حکومتیں تھیں، اور کس طرح سے انھوں نے فلسطین کو ضائع کر دیا، جب کہ ان کی بہت سی بڑی بڑی حکومتیں ذلیل و حقیر دشمن اسرائیل کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں۔

ہماری ان مہذب اور متمدن حکومتوں کے ہاتھوں جن کا تعلق نہ مشرقی بلاک سے ہے نہ مغربی بلاک سے اور نہ ہی اسلامی بلاک سے، جو کچھ ہوا ہے اس وجہ سے ہمارے دل نہ غمی ہیں۔ اور ہم اس پر شرمندگی و عار محسوس کر رہے ہیں۔

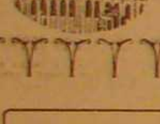

## شفیعِ روزِ محشر پر شفاعت ناز کرتی ہے

محمد کاظم ندوی

سراپا ابرِ رحمت پر یہ امت ناز کرتی ہے
مکینِ گنبدِ خضریٰ، قسیمِ حوضِ کوثر ہیں
سنورے بزمِ دنیا ہے مرے آقا کے جلووں سے
محمد مصطفےٰ خیر الوریٰ ہادیِ برحق پر
امام الانبیاء کے جاں نثاروں کی جماعت پر
وہی صدیق اکبرؓ ہیں جو یارِ غار کہلائے
عمرؓ کا دورِ زریں بھی کبھی کو یاد ہے اب تک
وہی عثمانِ غنیؓ جو ہیں شہیدِ ملتِ بیضاء
علی مرتضیٰ شیرِ خدا داماد پیغمبر
حسینؓ ابن علیؓ حمزہؓ جناب سید الشہداء

رُخِ انور کی تابانی پہ قدرت ناز کرتی ہے
شفیعِ روزِ محشر پر شفاعت ناز کرتی ہے
سراپائے ہدایت پر ہدایت ناز کرتی ہے
نبوت ناز کرتی ہے رسالت ناز کرتی ہے
حیت ناز کرتی ہے شجاعت ناز کرتی ہے
انھیں کی ذاتِ اقدس پر رفاقت ناز کرتی ہے
عمرؓ کے قولِ فیصل پر عدالت ناز کرتی ہے
غنیؓ کے خونِ رنگیں پر خلافت ناز کرتی ہے
علیؓ کی شخصیت پر خود ولایت ناز کرتی ہے
شہیدانِ صحابہؓ پر شہادت ناز کرتی ہے

درِ اقدس کی جانب دل کھنچا جاتا ہے اے کاظم
مرے اس جذبِ صادق پر عقیدت ناز کرتی ہے

# خلیج کی جنگ اور اس کے نتائج

پروفیسر جے۔ جی تیواڑی
میسرس روڈ۔ علی گڑھ

ایران اور عراق کی جنگ جب شروع ہوئی تو کوئی یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جنگ اتنی لمبی مدت جاری رہ سکے گی۔ کیونکہ ایران کے حالات دگرگوں تھے۔ معاشی حالت خطرناک حد تک خراب تھی۔ لیکن اٹھارہ ماہ گزرنے کے باوجود جنگ ابھی بھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی ہے حالانکہ عراق نے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا ہے۔

باوجودیکہ اس جنگ میں دونوں ممالک کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا تھا لیکن بہت سے یورپی ممالک کے لئے یہ جنگ محض ایک ناٹک بنی ہوئی تھی کیونکہ ان پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ ترقی یافتہ ممالک کو تیل کی سپلائی میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اب یہ جنگ تاریخ کا ایک ایسا المناک باب بن گئی ہے جس کے لئے نقصانات کی قیمت کا اندازہ لگانا کوزے میں دریا بند کرنا ہے۔

کچھ عرصے پہلے جنگ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی تھی لیکن یہ حالت زیادہ دن برقرار نہ رہ سکی کیونکہ ایک تو ایران کی آبادی زیادہ اس کے ذرائع وسیع اور دوسری سب سے اہم بات کہ وہاں نیا نیا اسلامی انقلاب آیا تھا اور لوگوں میں اسلام کے نام پر مر مٹنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ان مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی نے اس جنگ کو ایک جہاد کا نام دے دیا۔ اور کہہ دیا کہ جو اس جنگ میں بچ گیا وہ غازی ہوا اور جو مر گیا اس کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ بس یہی جذبہ تھا جس نے ان شکستہ حال لوگوں میں جان پھونک دی اور وہ مر مٹنے کو تیار ہو گئے اور جب انسان یہ سوچ لے کہ مجھے مرنا ہے تو وہ دنیا کا ہر کام کر سکتا ہے۔

آیت اللہ خمینی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عراق کے صدر صدام حسین کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے لیکن اب ایرانی دو آوازیں نکال رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم صدر صدام حسین کو اقتدار سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ عراق پر حملہ کرنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں۔ حالانکہ بصرہ پر بمباری کی جا رہی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بصرہ کو برباد کر کے ایرانی اپنے دلوں کی اس آگ کو ٹھنڈی کر رہے ہوں جو خرم شہر کی تباہی پر لگی تھی۔

خلیج کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ فاتح ایرانی اب تیل سے مالامال کویت اور دوسرے خلیج کے ممالک جن میں سعودی عرب بھی شامل ہے کتنے قریب پہنچ گئے ہیں لیکن ان مملکتوں کے رہنما اب بھی آنے والے خطرے سے آنکھیں موندے بیٹھے ہیں۔ گذشتہ دسمبر میں جب ایک انتہا پسند گروپ نے جس کی بنیادیں ایران میں تھیں، بحرین پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تب دوسرے عرب امارتوں کو تھوڑا سا جھٹکا لگا۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ اگر آج آیت اللہ خمینی کا شکار عراق ہے تو کل ہم بھی ہو سکتے ہیں۔

خلیج کے ممالک نے اپنے آپ عراق کے "کاز" کے ساتھ جوڑ لیا ہے کیونکہ جو عراق کا کاز ہے وہی عرب قوم کا "کاز" ہے۔

اس حقیقت کے باوجود ایک وقت میں قدامت پسند عرب ممالک صدر صدام حسین کی بہت سی اصلاح پسندانہ پالیسیوں سے غیر مطمئن تھے۔ لیکن ایران عراق جنگ شروع ہونے سے کافی عرصہ پہلے عراق نے روس کی طرف سے منھ پھیر لیا۔ اس کے بعد قدامت پسند عرب ممالک کے رویے میں بھی تبدیلی آئی۔ صدر صدام حسین کمیونسٹوں سے اتنے نالاں ہو گئے کہ وہ کمیونسٹ جو ایک وقت میں عراق کے قیام کے سلسلے میں معزز مارکس سمجھے جاتے تھے ان کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پھانسی پر چڑھانے کا کام خود صدر صدام حسین کی دیکھ ریکھ میں ہوا۔

مغربی ممالک اور امریکہ خلیجی ممالک کے روایتی اتحادی رہے ہیں یہی وہ علاقے ہیں جہاں ایک بڑی تعداد میں پٹرول سپلائی کیا جاتا ہے اسی لیے دونوں علاقے کے لوگوں میں کافی میل ملاپ ہے لیکن یہاں پہنچ کر اسرائیل کا مسئلہ آڑے آجاتا ہے خلیجی اتحاد کونسل کے اراکین کا کہنا ہے کہ جب تک اسرائیل سنہ ۱۹۶۷ء میں قبضہ کئے تمام علاقے خالی نہیں کر دیتا اس کے ساتھ کوئی امن معاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ حالاں کہ اب وہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مصر نے اسرائیل کے ساتھ جو کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کیا تھا اسی کی وجہ سے سینائی کا علاقہ خالی ہوا ہے۔ تنظیم آزادی فلسطین (پی۔ ایل۔ او) کا عرب دنیا پر گہرا اثر ہے۔ اور پی۔ ایل۔ او اردن کا مغربی کنارہ حاصل کرنا بھی اتنا ہی ضروری سمجھتی ہے جتنا سینائی کا علاقہ حاصل کرنا چونکہ اس وقت عرب ممالک کو ایران کی طرف سے بھی زبردست خدشہ لگا ہوا ہے اور آیت اللہ خمینی کے ضدی اور غیر مفاہمانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے ان کو ڈر ہے کہ عراق پر اپنے فتح حاصل کرنے کے بعد ایران ضرور اپنا انقلاب پڑوس کے خلیجی ممالک میں بھی برآمد کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور چونکہ ایران آج کل روس کے بھی کچھ قریب آتا جا رہا ہے اس لئے فلسطینی کمیونسٹ اس بات کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ عرب ممالک کو اصل خطرہ ایران سے نہیں بلکہ اسرائیل سے ہے۔ تاکہ عربوں کا دھیان ایران سے ہٹ جائے اور ایران سوویت روس کے لیے تیار کیے ہوئے منصوبہ کو عربوں پر مسلط کرنا شروع کر دے۔

سوویت روس کا عراق کے ساتھ دوستی اور تعاون کا معاہدہ اب بھی برقرار ہے اب اس کا کوئی مطلب نہیں رہ گیا ہے کیونکہ صدر صدام حسین نے اپنے ملک میں کمیونسٹوں کے ساتھ جو بدسلوک کیا ہے اس سے ماسکو بے بہرہ نہیں ہے۔ نظریاتی طور پر ایران اور عراق دونوں ماسکو کے اتحادی ہیں۔ لیکن روس کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ ایسے ملکوں کو اپنا دوست نہیں رکھتا جو اس کے عزائم پورے نہ کر سکیں روس کے سامنے اس وقت یہ سوال ہے کہ ایران اور عراق میں سے کس کا انتخاب کرے۔ گذشتہ کچھ مہینوں میں سرکاری طور پر روسیوں کی بڑے پیمانے پر ایران میں موجودگی نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اس نے ایران کا انتخاب کر لیا ہے۔ اور علامہ خمینی کو اپنا دستِ راست بنانا طے کر لیا ہے۔ حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آیت اللہ خمینی بذات خود بڑی طاقتوں کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ روسی ایران میں اپنی موجودگی کو بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ سالہا سال سے وہ جس موقع کی تلاش میں تھے اب وہ ان کو ہاتھ آتا نظر آنے لگا ہے۔

بہر حال ایران نے عراق پر ایک بڑی فتح حاصل کر لی ہے اور آیت اللہ خمینی صدام حسین کو خود اسی لیے ریگستان کی مٹی میں ملا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن روس کو صدام حسین سے کوئی دل چسپی نہیں اس کو دل چسپی ہے تو اس میں کہ صدام حسین کا جانشین کون ہوگا۔ اور اسی طرح وہ ہر عرب ممالک کے آئندہ قائدین میں بھی بڑی خاص حد تک دلچسپی رکھتا ہے۔ تاکہ جہاں بھی موقع ملے وہ اپنے مہرے بٹھا سکے اور جس بساط پر اس کو برسوں سے بیٹھنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے اس پر اپنی بازی جما سکے خلیج کے حالات صبح و شام بدل رہے ہیں۔ ہمیں آنے والا وقت بتائے گا کہ خلیج کی اب جنگ سے متحارب ممالک کو کیا فائدہ پہنچا اور تماش بینوں کو کیا فیض پہنچا۔

# کیا ادب کو مذہب سے دور رکھنا چاہیئے؟

## عالمی شہ پاروں کا تنقیدی مطالعہ

(پروفیسر سید حبیب الحق ندوی (ڈربن یونیورسٹی افریقہ))

مغربی اثرات کے نفوذ میں سب سے بڑا ہاتھ ادب کا رہا ہے۔ شعر و ادب ناول و افسانہ اور تھیٹر و سینما کے ذریعہ اس قدر جلد مغربی ذہن اور کلچر ہمارے معاشرہ میں داخل ہوا کہ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

مقالہ پیش نظر میں یورپ کے اس نظریہ کی شدید تردید کی گئی ہے جس کی اساس 'ادب برائے ادب' پر قائم ہے۔ اس میں یہ دکھانے کی سعی کی گئی ہے کہ یورپ کا سارا کلاسیکی ادب عقائد کا چربہ ہے۔ کسی دور کا ادب ہم عصر مذہبی تصورات سے خالی نہیں ہے۔ پھر یہ نظریہ یا فلسفہ جس کی تبلیغ و تعلیم ہم مشرقی طلباء کو دی جاتی ہے کہ 'ادب برائے ادب' ہے نہ کہ 'ادب برائے زندگی' یہ فاسد ہے اور متضاد بھی۔

لبرل آرٹ اور لبرل تعلیم جو اقدار عالیہ سے بری الذمہ ہے، کا چرچہ خود مسلم ممالک میں خوب ہو رہا ہے۔

مواد و ہیئت (MATTER AND FORM) ادب کی اساس ہیں لیکن جو مسئلہ ہنوز ادب کا نزاعی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ آیا مواد میں عقائد (BELIEFS) کی آمیزش جائز یا ناجائز؟ فن برائے فن کے طرف دار عقائد کی آمیزش کے منکر ہیں۔ ان کے خیال میں ادب ادب ہے، فلسفہ، دینیات، سیاسیات و معاشیات کا پروپیگنڈہ نہیں۔ تخلیقی ادب میں واردات قلب، کوائف نفس اور جمالیاتی شعور کے سوا کچھ اور پیش کرنا ان کے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ انشائی شعور (CREATIVE SENSE) کے منافی بھی ہے۔

ممکن ہے تنقیدی مباحث کی حد تک یہ نظریات درست ہوں لیکن تخلیقی تجربہ اس کے خلاف ہے۔ ادب، نظم ہو یا نثر، شاعر کی شخصیت اور اس کے عقائد کی جھلک سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت شخصیت ایک وسیع لفظ ہے۔ جمالیاتی شعور ہو یا دینی عقائد، سیاسی و سماجی نظریات ہوں یا معاشی طرز فکر سب شخصیت کا جزو لاینفک ہیں اور وہ انشائی ذات (CREATIVE SELF) کا حصہ ہیں۔ ہر عقیدہ خواہ دینی ہو یا غیر دینی، سیاسی ہو یا غیر سیاسی، فنکار کے عقائد کا جزو ہے اور یہی مختلف عقائد اس کی شخصیت کے اجزاء ترکیبی ہیں۔

کسی ایک ملک و قوم کا ادب نہیں عالمی فن پارے اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ مغرب کا ادب ہو یا مشرق کا، نظم ہو یا نثر، غزل ہو یا مرثیہ، مدح ہو یا ہجو، رزمیہ ہو یا بزمیہ، طربیہ ہو یا المیہ، ہر صنف ادب فن کے عقائد سے متاثر ہوتی ہے کسی دور کا ادب محض فنی محاسن اور صنائع و بدائع کی بنا پر مقبول نہیں ہوتا۔ اس کی مقبولیت میں ان عقائد کا بھی دخل ہوتا ہے جو اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ دانتے کی کامیڈی اسی لئے معروف و مقبول نہیں کہ وہ محض مابعد الطبیعاتی شاعری ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں مذہبی عقائد کی آمیزش ہے۔ ملٹن کے فن پاروں کی مقبولیت میں ان دینی عقائد کا بھی دخل ہے جو بائبل کی اساس ہیں۔ ہومر (HOMER) اور ورجل (VERGIL) کی مقبولیت کا مدار جہاں قومی عروج و زوال کی رزمیہ نگاری پر ہے وہیں ذہنی عقائد جو حوادث رزم کی جان ہیں، ادب میں روح کی طرح سرایت کئے ہوئے ہیں۔ اگر ان فن پاروں سے ذہنی عقائد نکال لئے جائیں۔ دیوی دیوتاؤں اور خداؤں کو خارج کر دیا جائے تو رزم (EPIC) کی نہ صرف جان جاتی رہے گی بلکہ ادب کا سارا زور بھی ختم ہو جائے گا اور کہانی کا پلاٹ درہم برہم ہو جائے گا، کیونکہ کہانی کو آگے بڑھانے اور واقعات کے ارتقاء میں عقائد کا ہر جزو مساوی طور پر معاون ہے۔ ہر عقیدہ گھڑی کے پرزے کی طرح اہم ہے۔ اگر ایک پرزہ بھی نکال لیا جائے تو گھڑی غیر متحرک ہو جاتی ہے۔ عقائد، وسیع جمالیاتی شعور، واردات قلب اور کوائف نفس، رقیق جذبات اور نفسیات انسانی سب ادب کے مختلف پرزے ہیں۔ اگر زندگی بحیثیت مجموعی ادب کا خام مواد ہے تو اس کے دائرہ سے زندگی کا کوئی مسئلہ باہر نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت مغربی ادب کے ساتھ ہی خاص نہیں مشرقی ادب کا بھی یہی حال ہے۔ رومی یا ابن العربی کے شاہکار مثلاً مثنوی اور فتوحات مکیہ وغیرہ سے تصوف کا جزو نکال دیا جائے تو وہ رومی اور ابن العربی کے سوا سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اقبال کے کلام سے شاعر کا پُر درد پیغام خارج کر دیجئے کے بعد وہ شاعری تو رہ سکتی ہے اقبال کی شاعری نہیں ہو سکتی۔

گفتگو چونکہ محدود ہے لہذا تبصرہ کو مغربی ادب تک ہی محدود رکھنا مناسب ہوگا۔ مغربی ادب کا نسب نامہ ہومر (HOMER) سے ملتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہومر کی ذات خود مجہول الحال ہے۔ اس کی زندگی لا معلوم اور شخصیت غیر متعین ہے۔

### ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسے

انیسویں صدی عیسوی تک ناقدین کا ایک گروہ ہومر کے وجود کا منکر تھا۔ اس کے نظریہ کے مطابق ہومر ایک فرد کے بجائے مختلف مصنفین پر مشتمل ایک انجمن یا ادارہ تصور کیا جاتا تھا۔ نیز ایلیڈ اور اوڈیسے مختلف فنکاروں کی فنی کاوش کا نتیجہ کہے جاتے تھے۔ بیسویں صدی کے ناقدین ہومر کی ذات پر متفق ہوئے اور مذکورہ بالا تصنیفات کو اس کی تخلیق قرار دیا۔ غرض مغربی ادب کی نسل یونانی ادب پاروں ایلیڈ اور اوڈیسے سے چلی۔ یہ دونوں طویل رزمیے یونان کی قومی عظمت و شجاعت کا ترانہ ہیں۔ اس سانچہ میں بعد کا مغربی ادب ڈھلتا رہا جلالت اثر، المناکی، منظر نگاری، شوکت بیان اور طلاقت لسانی، ساخت اور تکنیک میں انہیں نمونوں کی پیروی ہوتی رہی۔ ورجل کی لازوال تخلیق اینائڈ (AENEID) اسی نمونہ پر ڈھل کر منظر عام پر آئی اور زود اثری میں ہومر سے بازی لے گئی۔

ناقدین کے تخمینہ کے مطابق ایلیڈ ۷۵۰ قبل مسیح اور اوڈیسے ۷۲۵ قبل مسیح میں لکھی۔ نظم کے موضوع و مضامین پر ناقدین کا اختلاف ہنوز باقی ہے۔ ایک مکتب فکر اسے غیر تاریخی، غیر ثقہ اور مجموعہ خرافات قرار دیتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ واقعات چونکہ زمانہ ماقبل تاریخ سے متعلق ہیں۔ لہذا مشکوک اور غیر تاریخی (LEGENDS) ہیں۔ دوسرا مدرسہ فکر ان واقعات کو تاریخی حقائق قرار دے کر ثقہ تسلیم کرتا ہے۔ اول الذکر کی توجیہ کے مطابق ہومر چونکہ آٹھویں صدی قبل مسیح کا فنکار ہے، اور تاریخی دور ساتویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے لہذا ان واقعات کو تاریخی قرار دینا غیر علمی روش ہے۔

ایلیڈ اور اوڈیسے دونوں ہومر ابواب پر مشتمل یونان اور ٹرائے (TROY) کی جنگ (TROJAN WARS) کی داستانیں ہیں۔ اول الذکر جنگ کے وجوہ و اسباب، مناظر جنگ اور دیگر حوادث کا تذکرہ ہے اور آخر الذکر، جنگ کے بعد یونانیوں کی واپسی، بالخصوص اوڈیسے کی روداد سفر (ADVENTURES) ہے۔

شاہ ٹرائے کا لڑکا پارس (PARIS) سیاحت کی غرض سے اسپارٹا (SPARTA) پہنچا جہاں شاہ مینی لاس (MENELAUS) نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، چلتے وقت پارس اپنے محسن مینی لاس کی بیوی ہیلن (HELEN) کو اس کی مرضی سے اپنے ساتھ لے گیا اور ٹرائے (TROY) پہنچ کر زن و شوہر کی زندگی گزارنے لگے۔

اس حادثہ سے یونان کی عزت و عظمت کو شدید صدمہ پہنچا۔ جذبۂ انتقام سے سرشار یونان نے ہیلن کی بازیابی کے لئے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ پڑوس کے نواب، شہزادے اور حکمراں اسکے حلیف ہوئے۔ ایک ہزار سے اوپر جنگی جہاز تیار کئے گئے۔ یونان کے ہیرو و ابطال، جنگجو اور پہلوان آمادۂ پیکار ہوئے۔ جنگ کے بعد ٹرائے میں داخلہ ہوا لیکن قبضہ نہ ہو سکا۔ نو سالوں تک شہر کا محاصرہ رہا۔ قرب و جوار میں سلب و نہب کا سلسلہ جاری رہا۔ دسویں سال یونانی کمانڈروں ACHILLEUS اور AGAMENON میں نااتفاقی ہوئی۔ اچالیس اپنے رفقاء اور پیروؤں کے ساتھ میدان کارزار سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس کے علیحدہ ہوتے ہی یونانیوں پر قیامت ٹوٹی۔ پارس کا بھائی ہکٹر (HECTOR) پوری طاقت سے حملہ آور ہوا۔ یونانی فوج کو شدید نقصان پہنچا، اس کے مسلح جہازوں کی بربادی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اچالیس کی غیرت قومی جوش میں آئی۔ وہ میدان جنگ میں واپس

## ورجل کی اینائڈ

ورجل (VERGIL) شمالی اٹلی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس نے ملان (MILAN) اور نیپلز میں تعلیم پائی۔ ۲۳ سال کی عمر میں روم گیا اور سائرو (SIRO) سے تعلیم حاصل کی۔ سائرو اسٹوئک (STOIC) عقائد کا فلسفی تھا۔ ورجل کے عقائد سائرو کے فلسفہ سے غایت درجہ متاثر ہوئے۔ ۴۱ سال کی عمر میں وہ اپنے شاہکار کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوا جو روما کی شوکت و عظمت کا ترانہ اور ورجل کے رفیق، تاجدار روم اگسٹس (AUGUSTUS) کی مدح سرائیوں کا مجموعہ ہے۔ الیڈ اور اوڈیسے کے نمونہ پر ورجل نے اپنی اینائڈ (AENEID) لکھی جس میں اپنے سیاسی عقائد کی تشریح کی اور ساتھ ہی روما کی نشأۃ ثانیہ کی آرزو کا اظہار کیا۔

ورجل کا ہیرو (بطل) اینیاز AENEAS ٹرائے کا باشندہ تھا جو یونان اور ٹرائے کی جنگ (TROJAN WARS) میں تنہا چند رفقاء کے ساتھ بچ نکلا تھا۔ اسے خداؤں کا حکم ہوا کہ وہ اپنا وطن ترک کر کے مغرب کا سفر کرے۔ اینیاز کے سفر سے متعلق تمام خرافات اور غیر تاریخی واقعات LEGE- (NO AND MYTHS) کے ذریعہ ورجل اپنی کہانی کی آرائش کرتا ہے۔ ناقدین متفق ہیں کہ ورجل نے تمام سنجیدہ مغربی شاعری — (SERIOUS POETRY) کو تکنیک اور اسلوب میں متاثر کیا، ورجل شاہی اختیارات (PRERGATIVES) اور ریاست کے فرائض (FUNCTIONS) کی توضیح و تفسیر بھی پیش کرتا ہے۔

ورجل یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ روم کی تاسیس تاریخی عظمت رومی باشندوں کی بدولت نہیں بلکہ یہ محض خداؤں کے منشاء یعنی ان کی پلاننگ اور اسکیم کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خدا روما کی عظمت و سروری کے خواہاں تھے اس لئے روم کو عزت نصیب ہوئی اور قومی تاریخ تلی منشور بن گئی چونکہ روم خداؤں کے ذریعہ وجود میں آیا۔ اس لئے عوام کا فریضہ ہے کہ وہ خدائی مشن کی حفاظت کریں۔ تاسیس روم کی تاریخ ورجل یوں بیان کرتا ہے کہ تاجدار روم اگسٹس کے اسلاف قدسی (جو اینیاز ANEAS کی اولاد میں تھے) نے اس کی بنیاد رکھی۔ زوال ٹرائے کے بعد اینیاز خدائی ابہام پر اپنے رفقاء اور اہل خاندان کو لے کر مغرب کی جانب ارض موعودہ (PROMISED LAND) کی تلاش میں نکل پڑا۔ ہوشربا مراحل سفر پیش آئے ہمت ہار کر وہ اور اس کے رفقا نے دوران سفر میں کہیں متوطن ہونے کا فیصلہ کیا۔ کارتھیج (CARTHAGE) میں ڈیڈو (DIDO) کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن خداؤں کی ہمت افزائی اور الہام پر وہ آگے چل پڑا اور بالآخر اٹلی پہنچا۔ ہاڈس (HADES) سے ملا، جس نے اس کی اولاد کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی کی۔ وہ تیبر (TIBER) پہنچا اور مقدس شہر روما کی بنیاد رکھی۔ یہ سعادت اس کی تقدیر کا نوشتہ تھا۔ خدا اس کے ساتھ تھے اسی لئے روما پھلا پھولا اور عالمگیر شہرت و عزت کا مالک بن گیا۔ اس شہر کے باشندے اور نے آنے جونو (JUNO) کے حکم سے لاطینی (LATINS) کے نام سے موسوم کئے گئے۔

چونکہ اینیاز خدا کا فرستادہ تھا اور اگسٹس اسی خاندان کا ایک فرد تھا۔ لہٰذا فرمانروائے روم کا فرض تھا کہ وہ روما کی تقدیر کو اجاگر کرے، اور موجودہ بدحالی دور کرے ورنہ خداؤں کی ناراضی اس کی تباہی کا سبب بنے گی۔ دراصل ورجل کا دور سیاسی بحران اور اخلاقی زوال کا دور تھا۔ انتونی اور قلوپطرہ کے دور سے تا زمانہ حال کرل سو سال سے روم خونیں خانہ جنگیوں کا شکار تھا۔ قیام امن کی شدید ضرورت تھی ایک طاقت ور بادشاہ ہی اس انتشار کو دور کر سکتا تھا۔ سیاسی امن اور اخلاقی احیاء کے لئے خدانے اگسٹس کو بھیجا تاکہ عہد آفریں اصلاحات کا آغاز ہو۔ یہ فریضہ تاجدار روما کے ذمہ خداؤں کی طرف سے DIVINELY ORDAINED سپرد کیا گیا۔

ورجل خود دینی تھا۔ سارا روم دینی تھا لہٰذا دیوی اور دیوتاؤں کے بغیر عصری عقائد کی عکاسی ناممکن تھی۔ ہومر کا خدائے برتر زیئس (ZEUS) تھا۔ لیکن ورجل کا برتر خدا اپیٹر (JUPITER) تھا۔ لیکن وہ زیئس (ZEUS) کی طرح کمزور نہیں تھا بلکہ طاقت ور تھا اور اولمپیا (OLYMPIAN) کے تمام دوسرے خدا اس کے تابع تھے۔ وہ اس کی مرضی اور حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

ورجل کے مواد میں زیادہ ندرت نہیں۔ وہی یونانی مواد اور واقعات سفر میں۔ ہومر سے وہ ساخت میں کچھ مختلف ضرور ہے۔ ورجل کی رزمیہ نظم (EPIC) بیان، طرز ادا، تخیل اور جذباتی اثریت میں غزل (LYRICS) سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن بنیادی طور پر ہومر اور ورجل دونوں کا مقصود قومی افتخار، شجاعت کے قصے دینی عقائد کی آمیزش کے ساتھ بیان کرنا تھا۔

## ملٹن کی فردوس گم گشتہ

دانتے اور ملٹن دینی ہو مر اور ورجل سے مختلف ہیں۔ یہ دونوں عیسائی مذہب کے نقیب ہیں۔ ایک خالص کیتھولک نظریات کا ترجمان ہے دوسرا پیورٹن (PURITAN) عقائد کا مبلغ۔

۱۶۶۷ء میں ملٹن نے فردوس گم گشتہ PARA- (DISE LOST) لکھی۔ یہ شاہکار MAST- (ER PIECE) ہومر اور ورجل کے فن پاروں کا مدمقابل تصور کیا جاتا ہے۔ عقائد و نظریات میں نہیں۔ فنی پیش کش اور تخلیقی اپج۔ ملٹن کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ وہ خالص پیورٹن (PURITAN) عقائد کا حامی تھا۔ چرچ کی اصلاح اور مروجہ مذہب کے بے جان مناسک کے خاتمہ کے لئے پیورٹن تحریک کا آغاز ملکہ انگلستان الزبتھ کے دور میں ہوا۔ یہ تحریک پیورٹن انقلاب (PURITAN REVALUTION) کے نام سے معروف ہے۔ اسی تحریک نے تاج برطانیہ کو ہلا دیا۔ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کامیابی کے بعد زعمائے انقلاب میں نااتفاقی ہوگئی۔ برسر اقتدار پیورٹن حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور شاہی خاندان اسٹوارٹ تاج انگلستان پر دوبارہ قابض ہوگئے۔ جسے تاریخ میں عود شاہی ۱۶۶۰ء (RESTORA- TION 1660) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پیورٹن تحریک کا اصل منشور مذہبی حکومت (THEOCRACY) کا قیام اور خالص مذہبی بنیادوں پر بائبل کی روشنی میں سماجی زندگی کا احیاء تھا۔ لیکن ستر ہویں صدی تک تحریک ختم ہوگئی۔ ملٹن خالص پیورٹن عقائد کا حامی تھا۔ مذہبی زندگی کو برپا کرنے اور بائبل کے قوانین و احکامات کے احیاء کا آرزومند تھا۔ عزم سے اس کی تمنا تھی کہ وہ قومی رزم لکھے جو پیورٹن تحریک کی کامیابی کا ترانہ ہو لیکن تحریک کی ناکامی کے بعد ملٹن کے جذبات سرد ہوگئے۔ شاہی حکومت کی بحالی کے بعد ملٹن پر سخت جرمانے لگائے گئے۔ اس سیاسی انتقام سے آزردہ خاطر اور مایوس ہو کر وہ ہمیشہ کے لئے گوشہ نشین ہوگیا۔ بائبل اس کی زندگی کا نقطۂ آغاز اور منتہائے پرواز ہوگیا۔ اس المناک گوشہ نشینی میں اس نے تین عظیم مذہبی نظمیں لکھیں، جو مواد کے اعتبار سے خالص دینی (POEMS OF RELIGIOUS IMAGL - NATION - ہیں۔ (۱) فردوس گم گشتہ (۲) فردوس بازیافتہ (۳) سیمسن اگونسٹز (SAMSON AGONISTES) ان تخلیقات کو مغربی ادب کا عروج تصور کیا جاتا ہے۔ یہ تخلیقات ادبی، فنی اور جمالیاتی عروج کے ساتھ ہی مذہبی عقائد کا بھی عروج ہیں۔

ملٹن ۴۴ سال کی عمر سے قبل یعنی ۱۶۴۵ء تک مکمل نابینا ہو چکا تھا۔ بینائی کھونے کے بعد فکر و تدبر کی طاقت اور دینی بصیرت میں روز افزوں اضافہ ہوا۔ وہ نظام الہائیات پر تامل کرنے کا عادی ہوگیا۔ اسی لئے آدمؑ، عیسیٰؑ اور سیمسن اس کے فن پاروں کا موضوع ہیں۔

فردوس گم گشتہ (۱۶۶۷ء) درحقیقت سقوط آدمؑ کی داستان پر ایک رزمیہ نظم (EPIC OF THE FALL OF MAN) ہے، عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا اقرار نامہ ہے ملٹن عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کو پیدائشی عاصی تصور کرتا ہے۔ یہ گناہ آدم یا نافرمانی آدم کی سزا ہے، جو ہر ابن آدم کی گردن پر ہے۔ عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نے اپنی قربانی کے ذریعہ اس نافرمانی کا کفارہ ادا کیا۔ لہٰذا اب ابن آدم کا گناہ اسی وقت دھل سکتا ہے جب وہ عیسیٰؑ کو ابن اللہ تسلیم کریں۔ اس عقیدہ کے منکرین عاصی ہیں اور جہنمی بھی۔ ان کی نجات (SALVATION) ممکن نہیں۔ اسی قربانی کی بدولت عیسیٰ بنی آدم کے نجات دہندہ (SAVIOUR) کہے جاتے ہیں ہیئت میں ملٹن نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ ورجل کی پیروی کی ہے۔

فردوس گم گشتہ کا مواد بائبل، تالمودی روایات اور عیسائی چرچ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ رزم کی ہیئت و تکنیک میں ملٹن نے ورجل و ہومر کی پیروی کے ساتھ عام رزمیہ روایات کی پابندی بھی کی ہے۔ مثلاً ملٹن انتتاحی اشعار میں ہی غرض تصنیف، موضوع تصنیف کی وضاحت کرتا ہے۔ الہامی دیوی (MUSE OF INSPIRATION) سے استدعا کرتا ہے۔ وسط حوادث سے کہانی کا آغاز کرتا ہے۔ ہیرو کے اعداد و شمار پیش کرتا ہے۔ یہ سب رزمیہ نظم کی قدیم روایات (CONVE NTIONS OF EPIC) تھیں جن کا ملٹن نے پابندی کے ساتھ التزام کیا ہے۔ البتہ اسکی نظم معرّا (بلنک ورس) ہے۔

ابتدائی ابواب میں شیطان فعال ہے، متحرک ہے، پیکر عزم آہنیں ہے۔ غرور و تکبر کا مجسمہ ہے، اعتراف جرم و شکست اس کی فطرت کے خلاف ہے لیکن جوں جوں غرور و نخوت کی کمزوریاں ظاہر ہوجاتی ہیں شیطان کا کردار کمزور ہوتا جاتا ہے اور آدمؑ کا کردار جرم کے باوجود اعتراف جرم کی بنا پر بلند و برتر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد آدم من حیث کردار ابھرتا ہے۔ اور شیطان ڈوبتا ہے۔ نظم میں شعری تنوع، المیہ نگاری، بیانیہ اسلوب، لطافت و فصاحت کی آمیزش ہے۔ البتہ سماوی مناظر کچھ کمزور اور غیر حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ نیز خدا کی گفتگو یا مکالمہ میں غیر ضروری افسردگی ہے۔ ان تمام محاسن و مصائب کے باوجود فردوس گم گشتہ ایک ادبی شاہکار ہے۔ کیا اس کی مقبولیت میں ان عقائد کو دخل نہیں جو فن پارہ کی اساس ہیں۔؟

## فردوس بازیافتہ

### PARADISE REGAINED

۶۵-۱۶۶۷ء کے درمیان فردوس بازیافتہ منظر عام پر آئی۔ اس میں ملٹن نے عیسائی عقیدہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ دکھانے کی سعی کرتا ہے کہ جو جنت آدمؑ کے ہاتھوں گم ہوئی، عیسیٰؑ کے ہاتھوں کس طرح واپس مل گئی۔ آدمؑ شیطان کے مطیع ہوگئے اور عیسیٰؑ نے شیطان کی تمام ترغیبات (عیسیٰؑ کو چار طرح کی لالچ شیطان نے دی بوبائبل میں TEMPTATIONS کے زیر عنوان مذکور ہیں) کو ٹھکرا دیا۔ اس نظم میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بعض واقعات بائبل کی روشنی میں دکھائے گئے ہیں۔ جان (JOHN) کے ہاتھوں عیسیٰؑ دریائے اردن (اس دریا کی تقدیس میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ نہ صرف سرزمین اردن عیسیٰؑ کی مقدس سرزمین ہے بلکہ اس کا ہر ذرّہ اور قطرہ (BAPTISED) کئے گئے۔ اس طہارت کے بعد کے واقعات اس میں درج ہیں۔

فردوس بازیافتہ چار ابواب پر مشتمل ہے جس میں شیطانی وساوس، تملق و لالچ اور عیسیٰؑ کے افکار اور عزم مصمم کی روایات بائبل کی زبانی پیش کی گئی ہیں۔

عیسیٰؑ آزمائشوں کے بعد ایمان میں پختہ نکلے اور فرشتوں نے آکر انھیں نبوت کا مژدہ سنایا۔ ملٹن نے اس نظم میں ہیرو کی خود آگہی (SELF- AWARENESS) کو دکھانے اور ابھارنے کی سعی کی ہے۔ آدم نافرمان نکلے لیکن عیسیٰؑ خدا کا بیٹا باپ کا مطیع نکلا۔

اس نظم میں ڈرامائی عناصر بہت کم ہیں۔ ورڈس ورتھ انگریزی شاعر کی یہ پسندیدہ نظم تھی۔ اسلوب اور پیش کش میں یہ نظم بلاشبہ فردوس گم گشتہ سے کمزور اور فروتر ہے۔ کیا یہ فن پارہ مذہبی عقائد کی اشاعت سے مبرا ہے؟

ملٹن کی تیسری معرّا مذہبی نظم سیمسن اگونسٹز (SAMSON AGONISTES) ہے۔ اس میں آرائش و ترصیع کی کمی ہے۔ یونان کے المیہ اسلوب کی پیروی کی ہے۔ معروف ڈرامہ نگار سوفوکلز (SOPHOCLES) کا طرز اختیار کیا ہے۔ عبرانی ہیرو سیمسن کی زندگی کے آخری دن کا واقعہ نقل کرتے ہوئے دکھاتا ہے کہ نابینا سیمسن ارض فلسطین کے اصلی باشندوں (PHILISTINES) کے ہاتھوں گرفتار شہر غازہ (GAZA) میں جبریہ محنت کا شکار ہے۔ اس کی بیوی بدقسمتی سے فلسطینی ہے جو غدار اور بے وفا ہے۔ تقدیر کے ہاتھوں سیمسن مبتلائے عذاب ہے۔ آخر قومی جشن اور عید کے دن سیمسن کو حکم ہوا کہ وہ لوابوں اور امرا کی محفل میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ سیمسن نے انکار کیا۔ آخر افسروں کے حکم پر اس نے اسمبلی کے ستونوں کو گرا کر خود اپنی جان دے دی اور حاضرین کی جان لے لی۔ اس طرح موت کے بعد مظلوم سیمسن خدا سے جا ملا۔ یہ واقعہ بک آف ججز (BOOK OF JUDGES 3-16) سے ماخوذ ہے۔

درحقیقت ملٹن نے اس میں اپنی کہانی سیمسن کی زبانی بیان کی ہے۔

کیا ان زندہ حقائق کی روشنی میں کوئی ادبی ناقد یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ فن کے حریم ناز میں مذہب کو داخل ہونے کا حق نہیں۔

## دانتے کی کامیڈی

ادبی مواد میں عقائد کی آمیزش کا ثبوت مندرجہ بالا عالمی فن پاروں کے مطالعہ سے واضح ہے لیکن دانتے درحقیقت مستثنیات میں سے ہے، جو ہیئت (FORMS) تک میں عقائد کی آمیزش کا قائل تھا۔ ہومر کی رزمیہ ہیکساٹیر (HEXAMETER) میں لکھی گئی ہے۔ ورجل نے اسی کی پیروی کی۔ ملٹن نے آزاد نظم کو ترجیح دی۔ لیکن دانتے نے اپنے کامیڈی (طربیہ) کی تصنیف کے لئے نارمانوس ہیئت ٹرزارایما (TERZARIMA) یعنی تثلیث فوائی کی ایجاد کی۔ دانتے نے اشعار کی ترتیب اور ابواب میں ہر جگہ عقیدہ تثلیث کو زندہ رکھنے کے لئے تین اور نو وغیرہ کا توازن رکھا ہے۔ اس کے اشعار مثلث بند میں جو عروج فن کے ساتھ مذہبی غلو کا بھی عروج ہیں۔

دانتے نے اپنے لازوال فن پارے کا نام کامیڈی رکھا۔ بعد کی نسل نے اس میں THE DIVINE کا اضافہ اس لئے کیا کہ یہ مافوق الفطرت شاعری تھی اور اس میں آسمان، ارواح، قدسیات عالم بالا اور غیر سرمیات کے تذکرے تھے۔ یہ اطالوی زبان میں پہلا عظیم شاہکار تھا جس کے سہارے زبان عہد طفولیت سے اچانک سن بلوغ کو پہونچ گئی۔

دانتے کی کامیڈی مغربی ادب میں بے پایاں اہمیت کی مالک ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نظریہ گناہ (SINS) اور محاسن VIRT- UES) کی عکاسی تمثیلی (ALLEGORICAL) اور تشبیلی (ANALOGICAL) طرز سے کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب ہوا۔ روح انسانی کی نجات کے مختلف مدارج کی منظر کشی بھی کامیاب ہے۔ جدید ناقدین میں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ (T.S.ELIOT) دانتے کی شاعری کو اس لئے مابعد الطبیعاتی شاعری (META- PHYSICAL POETRY) قرار دیتا ہے کہ نظم کے ڈرامائی اور غزلی عناصر مذہبی اور تبلیغی عناصر پر غالب ہیں (ملاحظہ ہو ایلیٹ کا عالمانہ مقالہ زیر عنوان "دانتے" مجموعہ مضامین نیویارک ۱۹۳۲ء ص ۲۰۴)

راقم الحروف کو ایلیٹ کی رائے سے اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی اور تبلیغی عناصر ڈرامائی اور غزلی عناصر پر غالب ہیں۔ اس لئے اس شاعری کو کیتھولک مذہب کا صحیفہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈرامائی اور غزلی عناصر سب کیتھولک عقیدہ کی کامیاب ترجمانی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

دانتے، دینی ورجل (جسے دانتے اپنا استاد و رہبر تسلیم کرتا ہے) کے ساتھ جنت کی سیر کرتا ہے۔ جہنم میں مجرمین کے خلاف نفرت بھڑکتی ہے۔ ساتھ ہی ہمدردی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اعراف میں دانتے متحرک و فعال نظر آتا ہے، کیونکہ اعراف درحقیقت مادی دنیا کے حالات سے قریب تر ہے جہاں توبہ اور امید کی ملی جلی فضا موجود ہے۔ جہنم کے سفر میں دانتے شدت خوف سے کانپتا ہوا نظر آتا ہے۔ جنت یا عالم بالا اور عالم نور کی سیاحت میں جہاں اس کی محبوبہ بیٹرس راہبر ہے۔ دانتے خدا کی ذات میں تحلیل ہو جاتے کا آرزومند نظر آتا ہے کیونکہ تثلیث کا فلسفہ حلول کی تائید میں ہے۔ سفر کے آخری مراحل میں دانتے اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ ایمان کو منطق سے تعلق نہیں۔ ایمان کے سامنے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہوتی۔

جنت میں فن کار ادب کے ذریعہ چرچ اور ریاست کی فطرت کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ چرچ اور ریاست دونوں سن جانب اللہ ایک مشن کے حامل ہیں اور ریاست و چرچ کی موجودہ کشمکش نہ صرف غیر فطری بلکہ منشاء الٰہی کے بھی خلاف ہے۔ پھر

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

# تعارف
# الفقہ المیسّر

ہمارے مدارس عربیہ کے قدیم نظام تعلیم میں چونکہ بہت سے فنون شامل تھے اور فارسی ومنطق، عربی صرف ونحو کی مبادیات پڑھنے میں طلبہ کی عمر اچھی خاصی ہوجاتی تھی۔ اور ان کی ایک تعداد سن بلوغ کو بھی پہنچ جاتی تھی اس لئے انھیں فقہی جزئیات وتفصیلات کے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی اور غسل وطہارت اور ازدواجی تعلقات سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں انھیں بغیر ضروری تجسس اور حیرت واستعجاب اور کانا پھوسی سے سابقہ نہیں پڑتا تھا اور نہ ان مسائل کے سمجھانے میں اساتذہ کو تکلف اور شرمندگی میں مبتلا ہونا پڑتا تھا۔

مگر ادھر کچھ عرصہ سے جب عصری تقاضوں کے پیش نظر نصاب میں کافی ترمیم واختصار سے کام لیا جارہا ہے اور فارسی ومنطق کی کتابیں تقریباً خارج نصاب ہوگئی ہیں اور نحو وصرف کی غیر ضروری کتابیں بھی متروک ہوچکی ہیں۔ طلبہ کے سامنے نوعمری ونابالغی ہی میں ایسے فقہی مسائل آجاتے ہیں اور وہ ایسے وقت میں بے شعوری کے سبب نفسیاتی الجھن اور ذہنی پریشانی کا شکار ہوجاتے ہیں جب کہ انھیں ہر طرح پرسکون رہنے کی ضرورت ہوتی ہے

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ نوعمر طلبہ کے لیے ایک ایسا عام فہم مختصر اور مفید فقہی متن تیار کیا جائے جو سن مراہقت تک پہنچنے والے طلبہ کے شعور اور ذہنی سطح ونفسیات کے مطابق ہو۔

مجھے مسرت ہے کہ عزیز گرامی مولوی شفیق الرحمن ندوی سلمہ نے "نور الایضاح" کو خاص طور پر سامنے رکھ کر "الفقہ المیسّر" کے نام سے طلبہ اور نوجوانوں کے لئے یہ آسان فقہی متن تیار کردیا جس میں فقہی اختلافات اور غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے مفتیٰ بہ قول کو لے لیا گیا ہے اور مسائل کو عصری تقاضوں کے مطابق آسان زبان اور سہل اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے بعض نئے مسائل ریل اور ہوائی جہاز پر نماز جیسے مسائل کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے اور پرانے اوزان کے مطابق نئے اوزان بھی دے دیئے گئے ہیں، نوعمر بچوں کے لئے ٹائپ جلی اختیار کیا گیا ہے اور پیراگرافنگ بھی اسی لحاظ سے ہے۔

کتاب کی ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ مدارس عربیہ کے ذمہ دار اور اصلاح نصاب کے قدرداں حضرات اپنے اپنے مدارس میں اسے داخل کرنے کی کوشش کریں گے اور اسے ہر طرح نافع اور مفید پائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ

ابوالحسن علی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

## حضرت مولانا کے نام
## مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا مکتوب

مخدومنا المحترم زادکم اللہ مجداً وکرامۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوگا خدا کرے ایسا ہی ہو۔ گرامی نامہ مع ایک نسخہ الفقہ المیسر کے شرف صدور بخشا۔ یہ جناب کی ذرہ نوازی تھی کہ مجھ جیسے بے مایہ کے پاس بھی ایک نسخہ بھیجا اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

کتاب جستہ جستہ دیکھا ماشاء اللہ بہترین تصنیف ہے بڑے سہل اور سادہ عبارت میں مسائل کی ترجمانی ہے اور نوعمر طلبہ کے ذہن کے مطابق ہے۔ نور الایضاح کی جگہ پر پڑھانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بھی اور آنجناب کو بھی جزائے خیر سے نوازیں کہ ایسی عمدہ چیز منصہ شہود پر آگئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو سعی مشکور فرمائیں اور آئندہ مزید علمی اضافہ کو مصنف کو توفیق بخشیں۔ فقط والسلام مع الاحترام

ملتجی دعا بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند

## خطاب بہ مسلم

سالک بستوی

ناخدا ہو تمھیں اور مانجھی ہو تم، اٹھو عزم وعمل کے جلو میں کہیں
غرق ہوجائے نا! بحر ظلمات میں، کشتیٔ قوم لے چارہ گر دوستو!
ہر کلی آج ہے نذرِ باد خزاں، مٹ گئیں سب کے ہونٹوں کی گلکاریاں
کیسے ریحان وسنبل کی پھیلے مہک، چمن اسلام میں دیدہ ور دوستو
آج ہر چار سو ظلم کی آندھیاں، ظلمتوں نے دکھائی ہیں سرگرمیاں
مشعلیں دین کی تم جلاتے رہو، کہ بجھانے پر ہیں فتنہ گر دوستو
لے کے عزم مصمم، حسین جستجو، راہِ دشوار میں مشعلِ آرزو
گل بداماں بنو، باد پیچاں بنو، شب کی تاریکیوں میں قمر دوستو
کیوں مقاصد میں ہم اپنے ناکام ہیں؟ پست کیوں حوصلہ ہم میں ہر ایک کا؟
انتم الاعلون[1] کی مژدۂ جانفزا، کیا نہیں سب کے پیش نظر دوستو
آنا کانی ہے کیا! آؤ کوشش کریں، مل کے باد سمومی کا رُخ موڑ دیں
خوں سے سینچیں گلستانِ دیں شوق سے بارآور ہو دیں کا شجر دوستو
نونہالان اسلام کا کارواں، سوئے منزل رہے یہ ہمیشہ رواں
رہنمائی کریں نقشوں کے نشاں، تاکہ بھولیں نہ اپنا ڈگر دوستو
نخل اسلام کی تخم ریزی کرو، کشت ویران میں سالکؔ خستہ جاں
غنچہ ہائے شگفتہ سجیں بزم میں، یوں نصیبہ پہ ہے اوج پر دوستو!

[1] قرآن کریم کی مقدس آیت "انتم الاعلون ان کنتم مومنین"، کی طرف اشارہ ہے۔

# سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال، بچہ کی دی ہوئی اذان دہرانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب: نابالغ بچہ اگر ناسمجھ ہو تو اس کی دی ہوئی اذان کافی نہیں۔ دہرانا ہوگی کیونکہ اس کی اذان سے مقصود اذان یعنی اعلام حاصل نہیں ہوتا، اسلئے کہ سننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ بچہ نے اذان کھیل میں دی ہے، لیکن بچہ اگر سمجھدار ہو اور اس کی اذان سے مقصود حاصل ہوجائے تو اس کی دی ہوئی اذان کافی ہے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

سوال: فاسق وفاجر کی امامت درست ہے یا نہیں، کہیں ایسے ہی لوگوں کا تسلط ہو یا ایسے ہی لوگ موجود ہوں تو کیا کرے؟

جواب: امام کا متقی، پرہیزگار، ظاہری گناہوں اور برائیوں سے پاک ہونا ضروری ہے، فاسق وفاجر کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر پر مصر ہو لہٰذا ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا یؤم فاجر مومناً۔ ابن ماجہ ص ۷۷، اور کبیری میں ہے لو قدموا فاسقاً یأثمون ص ۴۷۹۔ اب اگر ایسے لوگ زبردست ہیں، انکا تسلط ہے ان کو ہٹایا نہیں جاسکتا یا عظیم فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے تو مقتدیوں کے لئے نماز پڑھنا مکروہ نہیں، ان پر گناہ نہیں ہوگا، اسی طرح سے اگر ایسے لوگوں کے سوا کوئی دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہو تو بھی مکروہ نہیں۔

سوال: امام نے سہواً کوئی واجب ترک کردیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا لہٰذا نماز کا اعادہ کرنا پڑا، تو کیا ایسا شخص جو پہلی جماعت میں شامل نہ تھا وہ دوسری جماعت میں شریک ہوکر فرض ادا کرسکتا ہے؟

جواب: نماز صحیح نہ ہوگی، دوبارہ پڑھنا پڑے گی اس لئے کہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل فرض نہیں ہے بلکہ تکمیل فرض کے لئے ہے اس لئے مستقل فرض پڑھنے والے کی اقتدا ر ایسے امام کے پیچھے درست نہیں ہوسکتی ہے۔

سوال: زکوٰۃ کی رقم سے مسافر خانہ بنوا سکتے ہیں، یا اس رقم کو مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ کی رقم سے مسافر خانہ بنوانا اس رقم کو مسجد میں لگانا درست نہیں۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے یعنی حقداروں کو مالک بنا دینا وہ اس صورت میں موجود نہیں ہے۔

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ دے سکتے ہیں؟ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔؟

جواب: زکوٰۃ کی رقم مدرسین کو نہیں دے سکتے ہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ حقداروں کو بلاعوض مالک بنایا جائے۔ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

سوال: کسی کافر یا مشرک کی موت پر کلام اللہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کافر یا مشرک کی موت پر کلام اللہ پڑھنا بالکل درست نہیں ہے اگر کسی شخص سے ایسی غلطی ہوجائے تو اسے توبہ واستغفار کرنا چاہیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے، وما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لہم انہم اصحب الجحیم۔

سوال، اگر کوئی میت بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کردی جائے تو کیا نماز جنازہ قبر پر پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: ہاں اگر کوئی میت بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کردی گئی ہے تو قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھی جاسکتی ہے، جب تک میت کے پھول پھٹ جانے کا خیال نہ ہو، مختلف موسموں اور مختلف مکانوں کے اعتبار سے جسم کے سالم رہنے کی مدت الگ الگ ہوسکتی ہے۔

سوال، لباس کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسا لباس پہننا جس سے اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں کی مشابہت ہو ٹھیک نہیں ہے، نیز ایسا لباس پہننا جو اتنا باریک ہو کہ اس سے اندر کا وہ حصہ دکھائی دے جس کا ستر ضروری ہے شرعاً درست نہیں ہے، اسی طرح ایسا چست کہ اعضاء کی ساخت ظاہر ہو یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

سوال: کوئی رشتہ دار یا عزیز اتنا لاغر ہوگیا ہے کہ بغیر خون دئے ہوئے زندہ نہیں رہ سکتا، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بغیر خون کے مرجائے گا، ایسی حالت میں اپنا خون دیگر یا غیر کا خون بقیمت لے کر مریض کی جان بچائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر مریض اتنا لاغر ہوجائے کہ خون کے علاوہ اور کسی دوا سے قوت نہیں پہونچائی جاسکتی ہو تو بدرجہ مجبوری اپنا خون دیا جاسکتا ہے یا دوسرے کا خون بقیمت لیا جاسکتا ہے۔ مجبوری کے باعث فقہاء نے حرام چیزوں کا استعمال درست رکھا ہے۔

بقیہ ص: ۱۱

وہ امید ورجائیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ریاست اور چرچ کے درمیان مفاہمت ناگزیر ہے کیونکہ یہ نوشتہ تقدیر ہے۔ پوپ جب شہنشاہ کے ماتحت اور پوپ وشہنشاہ دونوں جب خدا کے ماتحت ہونگے تو عیسیٰ کا مشن پورا ہوگا۔

کامیڈی کا آخری باب مغربی ادب کا نقطۂ عروج (SUMMIT) تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں انسان کی روحانی خلش کا بھی عروج ہے۔ چاسر کے خیال میں یہ حصہ قطعی الہامی ہے۔ ایسا الہامی ادب شاید ہی کسی دور میں کسی شاعر نے پیش کیا ہو۔

دانتے عہد وسطیٰ کے بدحال یورپ کا مسیحا تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اعتدال پسندی کا علمبردار کہا جاتا ہے۔ عیسائیت کی زبوں حالی، چرچ اور پوپ کی روایت پرستی، سیاسی بحران، اخلاقی انحطاط نے یورپ کو گھن کی طرح کھوکھلا کردیا تھا۔ دانتے ان حالات سے غیر مطمئن تھا۔ وہ خالص کیتھولک دین کے احیاء کا آرزومند تھا جس میں ان کے نزدیک یورپ کی نجات تھی۔ اسی لئے وہ اپنی کامیڈی میں تین مدارج قائم کرتا ہے۔ جہنم، اعراف اور جنت۔ جہنم میں وہ ان تمام مجرمین کو گنتا ہے اور ان کی بدحالی کا تذکرہ کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے، نیز وہ جو ایمان تو لائے لیکن خالص کیتھولک عقائد کے مطابق زندگی گزارنے سے قاصر رہے۔ اعراف کے دوسرے درجہ میں وہ امید وبیم کی فضا پیدا کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نجات کی صورت ہنوز اسی میں ہے کہ لوگ خالص عیسائی مذہب قبول کرلیں۔ جنت اور عالم بالا نور اور تثلیث کی دنیا ہے جہاں دیدار تثلیث کے بعد انسان کا ایمان مکمل ہوجاتا ہے۔

ہومر، ورجل، ملٹن اور دانتے مغرب کے ادبی خدا ہیں اور ان کی تخلیقات کو دنیائے ادب میں جو مقام حاصل ہے محتاج بیان نہیں گزشتہ صفحات میں ان کا سرسری جائزہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ ان فن کاروں نے اپنے مذہبی عقائد اور وقت کے عام دینی رجحانات کو کس طرح ادب میں سمونے کی کوشش کی ہے اس آئینے میں ہم اپنی تصویر دیکھتے ہیں تو عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی ادیب یا شاعر اسلام کا نام لے بیٹھتا ہے تو اسے تمسخر واستہزا کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اہل مغرب علم الاصنام کی خرافات اور ادیان سماوی کی مسخ شدہ تعلیمات کو جزو ادب بنا کر پیش کریں تو وہ ہنر ٹھہرتا ہے اور مسلمان دین اسلام کی سچی آفاقی اور ابدی قدروں کو اپنے ادب میں جگہ دیں تو خود اپنوں ہی کی نظر میں مجرم قرار پائیں۔

نگرانِ اعلیٰ:
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلسِ ادارت:
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے کینس اینڈ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۹۔ نول کشور روڈ، لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر "تعمیر حیات" شعبہ تعمیر وترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔